ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۲۲ - ۲۹ اپریل سنہ ۱۹۷۱ء

قیمت :— ۵۰ پیسے ہوائی ڈاک سے :— ۶۰ پیسے

'ہم پاکستان کے عوام کے ساتھ ہیں'



فرمانِ خدا

علامہ اقبال

۲۱ اپریل کو شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی برسی منائی جا رہی ہے۔ اقبال نے اپنے زمانے میں مختلف ممالک میں مزدوروں، کسانوں، اور غریب عوام پر سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سامراج کے ظلم و تشدد کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی، اس کا مظہر یہ ایک مشہور نظم بھی ہے۔ اس موقع پر اقبال کی یاد ہم اس نظم کے ذریعے منا رہے ہیں ——— (ادارہ)

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

حق را بسجودے صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تہذیبِ نوی کارگہِ شیشہ گراں ہے
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو

خُدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد :— ۱ شمارہ :— ۴۹

۲۲ — ۲۹ اپریل ۱۹۷۱ء

نگران

شوکت صدیقی — محمود شام

مدیر

ارشاد راؤ

معاونین خصوصی

ابراہیم جلیس — منہاج برنا

افضل صدیقی — ایم کے جنجوعہ

نائب مدیران

اشرف شاد — وہاب صدیقی

عکاس : الطاف رانا آرٹ : غلام نبی بزمی

بدلِ اشتراک	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے :-	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت — ۶۰ فلس
دوبئی، قطر — ۵، درہم
سعودی عرب — ۱۵ قرش
انگلستان — ۲ شلنگ، ۶ پنس

مقام اشاعت

دفتر ہفت روزہ الفتح، ۸۷ ڈی نرسری کمرشل ایریا
پی - ای - سی - ایچ - ایس - کراچی — ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ - مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد، کراچی

اداریہ

ڈاکٹر رشید حسن خان کو رہا کیا جائے

طالب علموں کے انقلابی قائد ڈاکٹر رشید حسن خان سکھر جیل میں موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں

جنوری میں جب تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا گیا ان کے ساتھ ڈاکٹر رشید حسن خان کو بھی رہا کیا جانا چاہیئے تھا۔ ہم نے اِن کالموں میں یہ مطالبہ بھی کیا تھا۔ ڈاکٹر رشید حسن خان کا جرم بھی وہی ہے جو معراج محمد خاں اور طارق عزیز کا تھا یا دُوسرے بے شمار سیاسی قیدیوں کا تھا۔ لیکن ڈاکٹر رشید حسن خان سے حکومت کو جانے کیا خطرات لاحق ہیں کہ جب بھی رہائی کا وقت قریب آتا ہے، ان کی سزا میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر رشید حسن خاں سے جیل میں جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اُسے سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان سے حال ہی میں ملاقات کرکے آنے والے طالب علم ساتھیوں نے بتایا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو شدید کھانسی کے دَورے پڑتے ہیں۔ وہ انتہائی نحیف ہو چکے ہیں۔ بات کرنے کی ہمت نہیں رہی ہے۔ انھیں اخبارات تک پڑھنے کو نہیں ملتے۔

ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ ڈاکٹر رشید حسن خان کا مسئلہ سیاسی آویزشوں اور مصلحتوں کی نذر ہو گیا ہے۔ محبّ وطن طالب علموں کے ایک گروہ کے علاوہ اُن کی رہائی کے لئے آواز اُٹھانے والے کہیں نظر نہیں آتے "انقلابی" سیاسی جماعتیں بھی خاموش ہیں۔ اُن کے دوست اور ساتھی مزدور رہنما بھی مہر بلب ہیں۔ اُن کے جیل کے ساتھی بھی جانے کن مصلحتوں میں گرفتار ہیں۔

حکومت نہ جانے کیوں ڈاکٹر صاحب کو جیل میں بند رکھنے پر مُصر ہے۔

ڈاکٹر رشید حسن خاں۔ پاکستان کے محبِ وطن انقلابی طالب علموں کی تنظیم این۔ ایس۔ ایف کے قائد ہیں۔ یہی این ایس ایف ہے کہ ایوب خاں کے خلاف ۱۹۶۸ء میں تحریک شروع کرنے کا سہرا جس کے سر ہے۔ ایوبی تحریک میں پیپلز پارٹی کو ہراول دستہ این۔ ایس۔ ایف کی شکل میں ہی ملا تھا۔ طالب علموں کی ایک بہت بڑی تعداد ڈاکٹر رشید حسن خاں کو قائد تسلیم کرتی ہے۔ یہ تمام طالبعلم اپنے قائد کی مسلسل گرفتاری پر انتہائی تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ گورنروں سے بار بار کی ملاقات، سیاسی رہنماؤں کے وعدوں اور اخبارات میں رہائی کے مطالبوں کے باوجود ڈاکٹر رشید حسن خاں کو رہا نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس سے طالب علموں کی تشویش میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ ملکی حالات کے باعث یہ طالب علم خاموش ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا قائد ان کے درمیان موجود ہو تاکہ اس بحران میں طلبہ کی یہ تنظیم اپنے قائد کی ہدایات کے تحت وطن کی انقلابی خدمت کر سکے۔

ہم مارشل لا حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ طلبہ کے مسلّمہ قائد کو فوراً رہا کرنے کا حکم دیں۔ کیونکہ وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ نبضیں ڈوب رہی ہیں۔ سیاسی مصلحتوں کے جال پھیلتے جا رہے ہیں۔

ہم پیپلز پارٹی کے قائد جناب ذوالفقار علی بھٹو سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر رشید حسن خاں کی رہائی کے لئے اپنا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کریں ورنہ ڈاکٹر صاحب کی حالت تشویشناک ہو جائے گی اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد کی تشویش میں بھی اضافہ ہوگا۔

پاکستان کو چڑیا گھر قرار دینے والے چڑیا گھر میں آباد ہو گئے

سندھ کا ایک گرگِ سیاست دہلی میں براجمان ہے

افضل صدیقی

بحث پھر چل نکلی ہے
"نظریہ پاکستان کا محافظ و مخالف کون ہے؟"
پھر شور اٹھا ہے۔

جو عوامی حقوق کی بات کرے اسے دار پر چڑھا دو۔ اقتدار ہمیں دو کہ ہم سے بڑا کوئی محبّ وطن نہیں ہے۔

الیکشن میں عوام نے جو فیصلہ دیا تھا اسے ان بازی گران سیاست نے نہ پہلے تسلیم کیا تھا اور نہ اب اسے ماننے کو تیار ہوتے ہیں بلکہ وہ تو اس فیصلہ پر حکومت کو خط تنسیخ کھینچ دینے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ یہ کیسے جمہوریت کے نام لیوا ہیں۔ کس قسم کے محب وطن ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ تاریخ میں ان سیاسی یتیموں کے نام مجیب کے حامیوں کی حیثیت سے محفوظ ہو چکے ہیں۔ عوام کے سامنے ان کی کینچلی اتر چکی ہے۔ الفتح کے پچھلے شمارے میں ان کا کچا چٹھا شائع ہو چکا ہے۔ ان پر فرد جرم لگ چکی ہے۔ یہ پہلے اپنے اپنے بلوں میں دبکے بیٹھے تھے کیونکہ انھیں عوامی گرفت کا ڈر تھا۔ اب حالات دیگر ہیں اور دگرگوں بھی۔ عوام کو اپنے مسائل کے حل کی فکر کھائے جاتی ہے۔ ایک طرف تو وہ اس فکر میں غلطاں ہیں۔ دوسری طرف امریکہ، روس اور بھارت کے گٹھ جوڑ نے ان کے اپنے ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ عوام کو اپنی اور اپنے ملک کی بقاء کے لئے دو دو محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑ رہا ہے۔ انھیں غافل پاکر یہ سیاسی سنپولئے پھر اپنے بلوں سے نکل آئے ہیں۔ انھوں نے "اسلام" "نظریۂ پاکستان" اور "حب الوطنی" کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ امن کمیٹیاں بنا رہے ہیں۔ یوم دعا منا رہے ہیں۔ امن کے لئے مظاہرے کر رہے ہیں۔ مطالبے کر رہے ہیں کہ انتخابات اور اسمبلیاں کالعدم قرار دی جائیں۔ ۱۹۵۴ء کا آئین بحال کیا جائے اور جداگانہ طریق انتخاب کی بنیاد پر نئے سرے سے الیکشن کرائے جائیں۔ یہ سارے مجیبئے ہیں، مجیب ازم کو فروغ دے رہے ہیں۔ مجیب کو غدار ٹھہرائے جانے سے پہلے بھی یہ مجیبئے ہی تھے۔ مگر اس کی موجودگی میں ان کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ بلکہ اس کے جلتے چراغ سے یہ اپنے اقتدار کا چراغ روشن کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوتے تھے۔ جب وہ چراغ بجھا تو یہ بھی بجھ کر رہ گئے۔ مگر دو چار روز کے اندر ہی نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ منظر عام پر آگئے۔ بیانات کی توپیں شرکی جانے لگیں۔ تقریروں کے تیر چلنے لگے۔ پھر پہلے کی طرح اخباروں میں نام آنے لگے۔ پھر تصویریں چھپنے لگیں۔ عوام نے متفقہ طور پر ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو انھیں ٹھکرا دیا تھا۔ فروری ۱۹۷۱ء میں انھوں نے سیاست کی نئی بساط بچھائی۔ امریکہ اور بھارت کے ہاتھ ملک کو بیچنے کے لئے نیا داؤں چلا۔ مگر ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو تاریخ نے انھیں مسترد کر دیا۔ چند روز خاموش رہنے کے بعد یہ پھر "پاکستان زندہ باد" اور "اسلام زندہ باد" کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آواز بھرّائی ہوئی ہے۔ دل بیٹھا جا رہا ہے، مگر چیخے چلے جا رہے ہیں۔

"ہم وطن کی محبت میں جانیں قربان کر دیں گے۔"
"ہم بھارتی لٹیروں کا منہ توڑ جواب دینگے۔"
"ہوشیار، خبردار ہم میدان میں نکل آئے ہیں۔"

اے لوگو! ایک بلوچ شاعر کا یہ فارسی شعر ذرا گرہ میں باندھ لو کہ

به احتیاط بدستِ خضر پیالہ بگیر
مباد آب حیات دہد بجائے شراب

دیکھنا حضرت خضر کے ہاتھ سے جام شراب لیتے وقت احتیاط رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو یہ حضرت تمھیں شراب کے بجائے آب حیات دیدیں۔

یہ جو آب حیات لے کر نکلے ہیں وہی ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے پاکستان کا قومی پرچم جلایا جا رہا تھا تو ان کی زبانوں پر تالے پڑے ہوئے تھے جن کی موجودگی میں بابائے قوم کی تصویریں پاؤں تلے روندی جا رہی تھیں۔ وطن کی محافظ فوجوں کی تضحیک کی جا رہی تھی اور آزاد بنگلہ دیش کے نام سے ان کے زندہ ہوتے ہوئے ان ہی کے وطن میں ایک نئی مملکت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ اور وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ان میں سے کسی کے دل میں بھی اپنے وطن، اپنے پرچم، اپنے قائداعظم کی محبت کا درد نہیں اٹھا۔ مگر آج یہ سب آگے بڑھ بڑھ کر وطن دوستوں کی فہرست میں اپنا نام لکھوا رہے ہیں۔ انھیں ڈر تھا کہ اس وقت یہ کچھ بولے تو ان کی تکا بوٹی کر ڈالی جائے گی۔ وطن پر جانیں نچھاور کرنے والے کیا ایسے ہی ہوتے ہیں؟ غداروں کو پکڑا جانے لگا تو یہ فوراً بول پڑے "وطن دشمنوں کو سولی پر چڑھا دیا جائے۔ ہم فوج اور حکومت کے ساتھ ہیں۔"

باقی صفحہ ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں

سیاسی کشمکش (۳) ۔۔۔ ۳۱ ۔۔۔ تحریک اسلامی کا تنزل

میں کیا کہتا ہے، خیالات، اقوال اور اعمال میں ان کے اور ایک کافر و مشرک کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا، مگر ان کا شمار بھی "مسلمانوں" ہی میں ہوتا ہے! غرض آپ اس نام نہاد مسلم سوسائٹی کا جائزہ لیں گے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا "مسلمان" نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کر سکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوّے، گدھ، بٹیر، تیتر، اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے۔

پھر لطف یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام سے انحراف کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا نظریہ اب یہ ہو گیا ہے کہ "مسلمان" جو کچھ بھی کرے وہ "اسلامی" ہے، حتیٰ کہ اگر وہ اسلام سے بغاوت بھی کرے تو وہ اسلامی بغاوت ہے۔ یہ بینک کھولیں تو اس کا نام "اسلامی بینک" ہو گا یہ انشورنس کمپنی قائم کریں تو وہ "اسلامی انشورنس کمپنی" ہو گی۔ یہ جاہلیت کی تعلیم کا ادارہ کھولیں تو وہ "مسلم یونیورسٹی"، "اسلامیہ کالج" یا "اسلامیہ اسکول" ہو گا۔ ان کی کافرانہ ریاست کو "اسلامی ریاست" کے نام سے موسوم کیا جائے گا

مسلمان چیل، کوّے، گدھ، بٹیر اور تیتر ہیں ــــ مودودی

ظہیر الدین کی قیادت میں سابق عوامی لیگ کے منتخب ارکان نئی جماعت بنائیں گے

دوبارہ انتخابات کا مطالبہ علیحدگی کی سازش کا ایک حصّہ ہے

مغربی پاکستان کی فرموں، خبر رساں ایجنسی اور لیڈروں کے خلاف تحقیقات؟

محمود شام

شیخ مجیب الرحمٰن مغربی پاکستان میں ہیں اور ان کے خلاف عنقریب فوجی عدالت میں مقدمہ چلنے والا ہے۔

مشرقی پاکستان سے بعض مصدقہ اطلاعات کے مطابق حکومت کو ایسی بہت سی واقعاتی اور دستاویزی شہادتیں مل چکی ہیں جو اس مقدمہ کے لئے ٹھوس بنیادیں فراہم کر رہی ہیں۔ مشرقی پاکستان کے بہت سے اعلیٰ افسران جو عوامی لیگی دہشت پسندوں کے خوف سے تمام سرکاری راز شیخ مجیب الرحمٰن کو پہنچا دیا کرتے تھے۔ اب ان حقائق کا انکشاف کر رہے ہیں۔ بہت سے اعلیٰ افسر ایسے ہیں جو اس سازش میں شیخ صاحب کے شریک تھے۔ ان کے خلاف باقاعدہ تحقیقات کی جائے گی۔ الیکشن سے بہت پہلے سے ایسے حالات پیدا کئے گئے تھے۔ انتخابی فہرستوں کے اندراج سے لے کر الیکشن تک۔ کہ دستوری طریقے سے مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا جواز فراہم ہو سکے۔ یہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ ہزاروں ووٹر ایسے تھے جن کے نام بھارت میں بھی ووٹر کی حیثیت سے درج تھے۔ ان تمام حالات کو پیدا کرنے میں بیوروکریسی نے جس طرح ساتھ دیا، وہ ایک کھلی حقیقت ہے۔

مشرقی پاکستان کی جن جماعتوں اور بالخصوص تحفظ نظریہ پاکستان فنڈ والی جماعت نے الیکشن میں عوامی لیگ کی مخالفت کی، ان کی مخالفت سے عوامی لیگ کو تقویت ملی۔ کیونکہ یہ جماعتیں اور افراد، مشرقی پاکستان میں استحصال کی علامت خیال کی جاتی تھیں۔ پھر یکم مارچ سے ۲۴ مارچ تک شیخ مجیب نے جو متوازی حکومت قائم کی، اس عرصے میں یہ تمام لوگ اپنی جانوں کے تحفظ کی خاطر ملک کا تحفظ بھول گئے اور ذہنی طور پر سمجھ بیٹھے تھے کہ بنگلہ دیش الگ ہوگیا۔ یہ اپنے اپنے طور پر شیخ مجیب کو حمایت کا یقین دلانے بھی چلے گئے تھے۔

ان کے ساتھ ساتھ الیکشن کے دوران اور بعد میں مغربی پاکستان کی بہت سی فرموں اور اداروں کے خلاف بھی تحقیقات شروع ہوگئی ہے۔ جو مجیب الرحمٰن کو امداد فراہم کرتے رہے۔ ان میں سرفہرست کراچی کے ایک سیٹھ۔ جو کئی اخبارات کے مالک ہیں اور جن کے خاندانی سربراہ امریکہ سے آئے تھے تو شیخ مجیب سے ان کے گاؤں میں ملنے گئے تھے اور جو بیافرا کو بھی اسلحہ فروخت کرتے رہے۔ ان کے اثاثوں اور کاغذات کی جانچ پڑتال شروع ہوگئی ہے۔ اس بات کے لئے انتظامات کئے جارہے ہیں کہ ان سے کاروبار کرنے والے افراد اور اداروں کو ادائیگیاں روکنے کا حکم دیدیا جائے۔

کراچی کی اور بھی بہت سی فرمیں شیخ کو امداد فراہم کرتی رہی ہیں۔ ان کے خلاف بھی تحقیقات ہوگی، لیکن سرفہرست کراچی کے یہی سیٹھ ہیں۔ کیونکہ وہ بین الاقوامی سطح پر اسلحہ فروخت کرنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ انھوں نے بیافرا کو بھی اسلحہ فروخت کیا تھا۔ بیافرا کا مسئلہ بھی سامراجیوں نے کھڑا کیا تھا۔ اسلامی ملک نائیجیریا کو تقسیم کرنے کی سازش کی تھی۔ یہ صورت حال ایک سی ہے۔ اب سامراجیوں نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرکے پاکستان کی تقسیم کی سازش کی ہے۔

ایک خبررساں ایجنسی کے مالک — جو وطن دشمنی میں مشہور ہیں جسے حال ہی میں مسٹر بھٹو نے اپنی پریس کانفرنس میں سیٹو اور سنٹو کے کاؤنٹر فنڈ سے پرورش پانے والی کہا تھا۔ یہ ایجنسی یکم مارچ سے ۲۴ مارچ کے پرابتلا ایام میں — جب باقی سب ایجنسیوں کے ٹیلی پرنٹر بند تھے۔ اس ایجنسی کا ٹیلی پرنٹر چل پڑتا تھا۔ اس ایجنسی نے عوامی لیگ کے لیڈر کو یہ مشورے بھی بھجوائے کہ وہ صدر یحییٰ سے کیسے بات کریں۔ انھیں یہ بھی اطلاعات فراہم کی گئیں کہ مغربی پاکستان میں کون کون ان کا ساتھ دے رہا ہے۔ خبریں فراہم کرنے والی یہ ایجنسی شیخ مجیب الرحمٰن کے لئے مغربی پاکستان میں سیاسی امداد فراہم کر رہی تھی۔ ۱۴ مارچ کو ۶½ بجے ختم ہونے والی مسٹر بھٹو کی تقریر کے چند منٹ بعد پورے پاکستان میں اس تقریر کی غلط تعبیر پہنچا کر ۸ بجے رات تک مشرقی اور مغربی پاکستانی لیڈروں کا ردعمل حاصل کرکے

الفتح

کراچی کا ایک انگریزی اخبار ایک خبر رساں ایجنسی "لندن پلان" کے مجسم ثبوت ہیں

جاری بھی کر دیا گیا۔ اس ایجنسی کے مالک نے کراچی میں شیخ مجیب الرحمٰن، اصغر خان اور عبدالولی خاں کو انتخابات سے پہلے عشائیے بھی دیئے تھے۔ اپنے ایک ذیلی ادارے میں انھوں نے امریکی سفیر فارلینڈ، نوابزادہ شیر علی خاں اور اصغر خاں کو مہمان خصوصی کے طور پر بلایا۔ مبینہ "لندن پلان" کا ایک ثبوت یہ ایجنسی بھی فراہم کرتی ہے۔ آج کل سیلون میں سامراجیوں کی سازش کو کمیونسٹوں کی سازش قرار دینے والی بھی یہی واحد ایجنسی ہے۔ یہ ایجنسی بھی ان اداروں میں شامل ہے، جن کے خلاف تحقیقات کا امکان ہے۔

اخبارات کا ایک گروپ جو شیخ مجیب کو روزانہ مشرقی پاکستان بلکہ پاکستان کا ہیرو بنا کر پیش کرتا رہا۔ جس کا شام کا اخبار ہر روز بے بنیاد خبریں چھاپتا تھا اور جس نے ۲۶ مارچ کے صدر کے مجیب کے خلاف اقدام پر بھی بالواسطہ نکتہ چینی کی تھی۔ لندن پلان کی سب سے زیادہ ترجمانی اسی گروپ نے کی۔ مجیب کے علیحدگی پسندانہ جذبات سے عوام کو خبردار کرنے کی بجائے اسے محب وطن اور متحدہ پاکستان کا علمبردار قرار دیتے رہے۔ ان کا صبح کا انگریزی کا اخبار الیکشن سے پہلے مجیب، دولتانہ، ولی خان کے بیانات خواہ وہ کسی چھوٹے چھوٹے شہر میں بھی دیں، صفحہ اول پر چھاپتا تھا۔ مسٹر بھٹو کا کراچی کا ۴ جنوری کا جلسہ عام بھی اندر کے صفحات پر شائع ہو سکا۔ یہ رویہ ۱۹۷۰ء کے آخر تک رہا۔ انگریزی زبان میں چھپنے کے باعث یہ اخبار غیر ملکی سفارتخانوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ سندھ سے اس اخبار نے جی ایم سید کو آگے بڑھایا۔ "الفتح" کے پہلے شمارے ۱۲ مئی ۱۹۷۰ء کو ہم نے مجیب، ولی دولتانہ اور جی ایم سید کے گٹھ جوڑ کا انکشاف کیا تھا۔ ان کے ساتھ ۲۲ خاندان کے بہت سے افراد بھی شامل تھے۔ ان کے مقابلے میں جو مثلث بن رہی تھی، وہ بھٹو بھاشانی اور قیوم خان کی تھی۔ اس وقت بعض افراد نے بھٹو بھاشانی کے ساتھ قیوم خان کو امتل جوڑ قرار دیا تھا لیکن حالات وواقعات نے ثابت کر دکھایا کہ ہم نے جو کچھ شروع میں لکھا

تھا وہی ظاہر ہوا۔ اس مثلث میں فی الحال مولانا بھاشانی نظر نہیں آتے۔ کچھ عرصہ بعد یہ کمی بھی دور ہو جائے گی۔ (مولانا بھاشانی کے کردار کے بارے میں مفصل مضمون آئندہ ہفتے) لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجیب جیسے علیحدگی پسند اور سامراجی ایجنٹ کو اس کے مغربی پاکستانی حواریوں نے مختلف انداز سے امداد فراہم کی۔ اور اس کے مخالف سیاست دانوں نے اپنی اپنی حکمت عملی سے مجیب کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ قیوم خاں نے شروع سے مجیب کے خلاف لہجہ تلخ رکھا۔ بھٹو نے اپنی پوزیشن مستحکم کر کے قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہونے دیا۔ اجلاس ہو جاتا تو بنگلہ دیش قانونی اور آئینی طور پر قائم ہو جاتا۔ مجیب کے ایک ساتھی جی ایم سید کے بارے میں بھی "الفتح" کے اس شمارے میں افضل صدیقی یہ انکشاف کر رہے ہیں کہ وہ آج کل نئی دہلی میں براجمان ہیں۔ مجیب اور اس کے مغربی پاکستانی حامیوں

کی قدر مشترک ہمارے نزدیک "بھارت نوازی" تھی۔ ان میں سے بعض نے امریکہ اور بعض نے روس کی پالیسیوں پر یہ موقف اختیار کر رکھا ہے۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ پاکستان کی تاریخ کا اتنا بڑا مقدمہ چل رہا ہو۔ جس میں پاکستان کے بہت بڑے حصے کو پاکستان سے الگ کرنے کی سازش زیر تفتیش آ رہی ہو، اس میں اتنی بڑی شہادتوں، حقائق اور ایک سازشی کی امداد کرنے والوں کو نظر انداز کر دیا جائے، مقدمہ کی کارروائی کیسے مکمل ہو گی۔ پہلے شیخ سے متعلقہ تمام فائلیں جمع کی جا رہی ہیں اور ادھر مشرقی پاکستان میں حالات مکمل طور پر معمول پر آنے کا انتظار ہے۔ اس کے بعد بڑے پیمانے پر یہ تحقیقات شروع ہوں گی۔

ان تحقیقات کو کھٹائی میں ڈالنے اور عوام کی توجہ اس طرف سے ہٹانے کے لئے ان تحقیقات

میں ملوث ہونے کے خطرے سے دوچار۔ سیاسی افراد اس وقت دوبارہ انتخابات کا شور مچا رہے ہیں۔ جداگانہ انتخابات مانگتے ہیں اور بنیاد اسی مطالبے کی یہ ٹھہراتے ہیں کہ عوامی لیگ کالعدم۔ اس کے تمام ارکان بھی کالعدم — اس طرح بزعم خود یہ اسلام اور نظریہ پاکستان کے ٹھیکیدار سابق عوامی لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے ارکان کی بھاری اکثریت جو عوامی لیگ کی ہائی کمان کی علیحدگی کی سازشوں سے بے خبر تھی۔ ان پر بھی وطن دشمنی کا الزام لگا رہے ہیں۔ ان حضرات کو شرم مگر نہیں آتی۔ اس بھاری اکثریت میں سے شیر بنگال کے بیٹے فیض الحق نے بیان بھی دیا ہے۔ صدر یحییٰ نے اپنی تقریر میں "شیخ اور ان کے ساتھیوں" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ ۱۰ اپریل کی نشری تقریر میں جنرل ٹکا خاں نے بھی واضح الفاظ میں کہا ہے کہ عوامی لیگ پر پابندی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے تمام ارکان ملک دشمن تھے حقیقت

قومی اسمبلی کا اجلاس ہو جاتا تو بنگلہ دیش آئینی اور قانونی طور پر قائم ہو جاتا

یہی ہے کہ عوامی لیگ کے جو ارکان اور رہنما شیخ کے ساتھ علیحدگی کی سازش میں ملوث تھے صرف ان پر مقدمہ چلے گا۔ اور جن کے خلاف الزام ثابت ہو گا ان کی رکنیت منسوخ ہو جائے گی۔ ان کے انتخابی حلقوں میں دوبارہ انتخابات ہو جائیں گے۔ باقی ارکان چاہیں کسی اور جماعت میں شامل ہو جائیں، چاہے نئی جماعتیں بنا لیں۔ وہ عوام کے بہرحال نمائندے ہیں۔ سابق عوامی لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والے ارکان کی اکثریت کی رکنیت کو کالعدم سمجھنا، اس اکثریت کو علیحدگی پسند سمجھنا ہے، جس کا مطلب مشرقی پاکستان کی اکثریت کو علیحدگی پسند سمجھنا ہے یہ مشرقی پاکستان کے عوام کی توہین ہے۔ اور یہ اس مفروضے کو تقویت دینا ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام الگ

ہونا چاہتے ہیں۔ یہ افراد اصل مسائل سے عوام کی توجہ ہٹانے کی فکر میں ہیں، اس کے علاوہ ان کا کوئی مقصد نہیں۔

اس وقت امکان یہی ہے کہ سابق عوامی لیگ کے منتخب ارکان کوئی نئی جماعت بنا لیں۔ آج کل سابق عوامی لیگ کے وطن دوست ارکان ان خطوط پر سوچ رہے ہیں۔ ظہیر الدین — جو جماعت اسلامی کے پروفیسر غلام اعظم کے مقابلے میں کامیاب ہوئے تھے، آجکل سابق عوامی لیگ کے محب وطن ارکان سے بات چیت کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ کوششیں کامیاب ہو جائیں تو "سیاسی حل" کا راستہ آسان ہو جائے گا۔

شکست خوردہ سیاسی جماعتوں کی طرف سے دوبارہ انتخابات کا مطالبہ — ایک بہت بڑی سازش ہے۔ اور یہ اس علیحدگی کی سازش کو جاری رکھنے کی ایک کوشش ہے تاکہ ملک میں بحران، سیاسی بے چینی، اضطراب، اقتصادی پریشانیاں جاری رہیں۔ اور ملک کے دشمنوں کو اس سے فائدہ پہنچتا رہے۔ ہم ایک بار پھر عرض کریں گے کہ جن افراد اور جماعتوں کو پہلے عوام (۷ دسمبر ۱۹۷۰ء) اور پھر ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو تاریخ نے مسترد کر دیا، اب انھیں بولنے کا کیا حق ہے۔ وہ کس کی ترجمانی کرتے ہیں، ان کے موقف کو بار بار ٹھکرایا جا رہا ہے۔ اب کس امید اور کس حسرت میں بولے جا رہے ہیں۔ پاکستان کی سلامتی کے لئے جہاں بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا جا رہا ہے وہاں اندرونی دشمنوں سے بھی نپٹا جائے گا۔ اور یہی وہ مرحلہ ہے، جب پاکستان کو مکمل استحکام مل سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں حالات قابو میں لانے کے لئے ایک ناگزیر امر یہ بھی ہے کہ وہاں کی غریب اکثریت کی اقتصادی مشکلات دور کرنے کی طرف توجہ دی جائے اس کے لئے عوامی حکومت کا انتظار ضروری نہیں ہے۔ لوگوں کے دل اس صورت میں جیتے جا سکتے ہیں اور عوام کو اعتماد میں اس صورت میں لیا جا سکتا ہے کہ وہاں کے مزدوروں، کسانوں کے رہنماؤں سے مشورہ کر کے اقتصادی اصلاحات فوری طور پر نافذ کی جائیں۔



"ہمارا یہ پختہ موقف ہے کہ تمام اقوام کو پانچ مشہور اصولوں (پنج شیلا) پر عمل کرنا چاہئے یعنی ایکدوسرے کی خود مختاری علاقائی یکجہتی کا احترام، مساوات، باہمی اور مفاد اور پر امن بقائے باہمی یہی اقوام کے درمیان تعلقات کا معیار ہے۔"



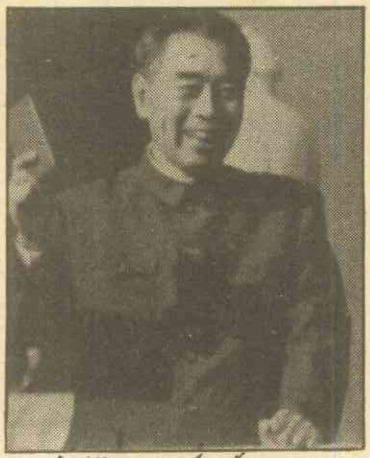
چین پاکستان کا ایک سچّا دوست ہے

امریکہ اور روس نے تنگدلانہ پالیسی اختیار کی ہے

چین نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ وہ پاکستانی عوام کا ایک مخلص اور باوفا دوست ہے۔ پاکستان کے حالیہ سیاسی بحران میں اس نے کسی مصلحت کا سہارا لئے بغیر جس جرأت، بے باکی اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے وہ دو پڑوسی ملکوں کے عوام کی گہری رفاقت اور دوستی کی ایک نئی اور زندہ مثال ہے۔

چین کے برعکس پاکستان کی دوستی کا دم بھرنے والے دو بڑے ملک امریکہ اور روس نے اپنی تنگدلانہ پالیسی کی وجہ سے ایک بار پھر پاکستانی عوام کے عظیم تر مفادات کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی ہے۔ گو ان ملکوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی پھر بھی ان کے پاکستان دشمن رویئے سے بھارتی توسیع پسند لٹیرے کے دل اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس نے تمام بین الاقوامی آداب کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ایجنٹوں کو مشرقی پاکستان میں داخل کر دیا۔ جس سے پاکستان کی سالمیت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

چین نے اپنے مراسلے میں امریکہ اور روس پر صاف صاف الزام لگایا ہے کہ دونوں ملکوں نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے بھارت سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے۔ چین کا یہ الزام کہاں تک درست ہے۔ اس کا اندازہ پاکستان کے ۱۲ کروڑ عوام نے گزشتہ چند ہفتوں کے واقعات سے خوب اچھی طرح سے لگا لیا ہے۔ امریکہ اور روس کا موقف اب وضاحت طلب نہیں رہا۔ دونوں ملک پاکستان اور



چو۔این لائی ۔ پاک چین دوستی کا مظہر

پاکستانی عوام کے دشمن ہیں اور ایشیا میں اپنے مخصوص مقاصد اور مفادات کیلئے پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔

یورپی مشترکہ منڈی کے کاشتکاروں کا احتجاج

گذشتہ دنوں بلجیم کے دارالحکومت بروسیلز میں ستر ہزار کاشت کاروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے زبردست مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرہ یورپی مشترکہ منڈی کے صدر دفتر کے سامنے ہوا برسیلز کے شہر میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ پہلا اور سب سے بڑا اجتماع تھا۔ مظاہرین کاشتکاروں نے بڑے بڑے بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے ان پر ان کے مطالبات لکھے ہوئے تھے کاشتکاروں کی اتنی بڑی تعداد، یک جہتی اور جوش و ولولہ دیکھ کر یورپی مشترکہ منڈی کے بھیکے داروں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔

مظاہرین کاشت کاروں کا کہنا تھا کہ مشترکہ منڈی کے شریک ممالک نے کاشت کاروں کو زرعی اجناس کی قیمت، پیداوار کی قیمت سے بھی کم دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جس پر یورپ کے کاشت کار طبقہ میں شدید اضطراب اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ مظاہرین کاشت کاروں میں مغربی جرمنی، فرانس، اٹلی، بلجیم، ہالینڈ اور لکسمبرگ کے کاشت کاروں کے نمائندے شریک تھے کاشتکاروں کا مطالبہ تھا کہ زرعی اجناس کی قیمتوں میں اضافہ کیا جائے۔ مگر یورپی مشترکہ منڈی کے نمائندے اس بات کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کاشت کاروں کا منظم جلوس جس راستے سے گزرا اپنے پیچھے غیض و غضب کے نشانات چھوڑتا گیا۔

مظاہرین کاشت کاروں نے یورپی مشترکہ منڈی کے دفتر کا گھیراؤ کر لیا۔ اپنے نعروں اور ولولہ انگیز تقریروں کے ذریعہ اپنی آواز بند کمرے میں ہونے والے اجلاس تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر ان کے درمیان مسلح پولیس دیوار بنی کھڑی رہی۔ پولیس نے مظاہرین کو روکنے کے لئے اپنا سارا زور لگا دیا۔ مظاہرین پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ آنسو گیس کے گولے پھینکے گئے اور جب ان سے بھی کام نہ چلا تو مظاہرین کو ڈنڈے مار مار کر منتشر کر دیا گیا۔

یورپ کی "مشترکہ منڈی" کی لوٹ کھسوٹ اور کاشت کاروں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کرنے کی پالیسی، کاشت کاروں کی یکجہتی اور مشترکہ جدوجہد کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ مشترکہ منڈی کے نمائندوں کو کاشت کاروں کے مطالبات کے مطابق زرعی اجناس کی صحیح قیمتوں کے تعین پر غور کرنا پڑا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ممکن تھا کہ کاشت کاروں کے غیض و غضب سے بروسیلز میں ایک نہ رکنے والا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ اور پھر یہ طوفان مشترکہ منڈی میں شریک ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ فی الوقت یہ طوفان تھم گیا ہے۔ لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ یورپ کے ملکوں میں سرمایہ دارانہ لوٹ کھسوٹ کے خلاف اندر ہی اندر سلگتی ہوئی چنگاری ایک دم سے بھڑک کر شعلہ بن جائے گی۔ اور اس استحصالی نظام کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ جس نے پوری دنیا میں بے چینی اور بے اطمینانی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

نو عرب ملکوں کی کانفرنس ختم ہو گئی

قاہرہ میں نو عرب ملکوں کے نمائندوں کی کانفرنس میں ایک بار پھر اردن سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حریت پسندوں کو تباہ کرنے کی کارروائی فوری طور پر ختم کر دے قرارداد میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ "شاہی فوجیں قاہرہ معاہدے کو نظر انداز کر کے مسلسل ایسی کارروائی کر رہی ہیں جس سے تحریک مزاحمت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا ہے" اس کانفرنس میں مصر، سوڈان، لیبیا، شام، الجزائر، لبنان، جنوبی یمن اور کویت کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ اردن نے اس کانفرنس میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

کانفرنس میں اردن سے اس بات کا بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ ایسے حالات پیدا کرنے

باقی صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں

ابراہیم جلیس

آؤ بڑو ــــ ایک کہانی پڑھو

پیارے بڑوں کے لئے ایک سبق آموز کہانی

تمہید

بچپن میں ہم نے طبعزاد کہانیاں لکھنے کے ایک مقابلے میں اول انعام حاصل کیا تھا۔ جس کہانی پر ہمیں اوّل انعام ملا تھا اس کے بارے میں ہمارے استاد ممتحن صاحب نے ہمیں مبارکباد دیتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ اس کہانی کو سنبھال کر رکھو۔ مستقبل میں کام آئے گی ــــــ آج برسوں بعد ہمیں اپنے ان استاد ممتحن صاحب کی پیش بینی۔ دور اندیشی اور مستقبل شناسی پر بڑی حیرت ہوتی ہے اور اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ممتحن صاحب نے ہمیں اس کہانی کو سنبھال کر رکھنے کا مشورہ کیوں دیا تھا۔

اب اتنے برسوں بعد اس کہانی کو دوبارہ لکھتے ہوئے الفاظ تو یقیناً بدل جائیں گے۔ بہر حال حافظے پر زور دیکر وہ کہانی یوں مرتب کی گئی ہے

کہانی

کسی جنگل میں جب جانوروں پر جنگل کے بادشاہ شیر اور اس کے مصاحبوں لومڑیوں اور گیدڑوں کے مظالم بہت بڑھ گئے تو سارے چھوٹے چرند پرند اس جنگل کے ایک شریف النفس جانور ہاتھی دادا کے پاس پہنچے۔ صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ ہاتھی دادا ٹھہرا اکثریتی جانور۔ اسے جنگل کے ان چھوٹے چھوٹے چرند پرند پر شیر اور اس کے مصاحبوں لومڑیوں اور گیدڑوں کے مظالم سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے ان جانوروں کو مشورہ دیا "میں تمھیں ہر طرح سے مدد دوں گا لیکن تم سب کا بھی فرض یہ ہے کہ تم سب اکٹھے اور متحد رہا کرو۔ پھر میں شیر اور اس کے سارے چیلوں چانٹوں کو اپنی سونڈ سے اٹھا کر جنگل سے باہر سمندر میں پھینک آؤں گا۔"

ہاتھی دادا کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سارے چھوٹے چرند پرند متحد ہو گئے۔ انھوں نے پرندوں کی ڈیوٹی لگا دی کہ وہ اڑ کر دیکھتے رہیں کہ شیر کہاں ہے اور کس طرف بڑھ رہا ہے۔ پھر اس کی اطلاع زمین کے جانوروں کو دیں تاکہ وہ سب اکٹھے ہو جائیں اور بارہ سینگھوں اور نوک دار سینگوں والے بیلوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ہراول دستے کی طرح آگے رہیں تاکہ جب بھی شیر آئے تو وہ اپنی سینگوں سے شیر پر حملہ کر دیں پھر اس کے بعد سارے جانور اس پر ٹوٹ پڑیں ضرورت پڑے گی تو ہاتھی دادا بھی فوراً موقع واردات پر پہنچ جائے گا۔

ایک دن شیر حسب معمول اپنے مصاحبوں لومڑیوں اور گیدڑوں کے ساتھ اپنے شکار کی تلاش میں نکلا تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ سارے جانور اکٹھے ہیں اور ہاتھی دادا بھی کھڑا سونڈ سے اپنی مونچھوں پر تاؤ دے رہا ہے۔

شیر کی ہمت نہ پڑی اور وہ چپ چاپ واپس لوٹ گیا۔ اس دن اسے بھوکا رہنا پڑا اس طرح جب دو تین دن گزر گئے تو بھوک کے مارے شیر کا برا حال ہو گیا لیکن ساتھ ساتھ ہی اسے ڈر بھی ہو رہا تھا کہ اگر سارے جانور مل کر مجھ پر ٹوٹ پڑے تو میری تکا بوٹی کر دیں گے۔

شیر کا جب مارے بھوک کے برا حال ہو گیا تو اس نے اپنے خاص الخاص مصاحب بی لومڑی اور بھائیا گیدڑ کو طلب کیا۔ بی لومڑی جو اول نمبر کی مکار ہے۔ اس نے شیر کو مشورہ دیا۔

"حضور بادشاہ سلامت ـــــ جب تک یہ سارے جانور متحد رہیں گے آپ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ الٹا حضور والا کا نام و نشان (میرے منہ میں خاک) جنگل سے ہمیشہ کے لئے مٹا دیا جائے گا۔"

شیر نے کچھ دیر سوچا اور بولا۔

"اچھا تو پھر یوں کرو کہ تم اور گیدڑ ان کی صفوں میں گھس جاؤ۔ مجھے گالیاں دو۔ میرے خلاف جو کچھ کہہ سکتے ہو کہو۔ تاکہ وہ تمھیں اپنا سمجھیں۔ اور مجھے رات کے اندھیرے میں سب رپورٹ دیا کرو جب سارے جانوروں کا اعتماد تم پر بحال ہو جائے تو پھر ان میں پھوٹ ڈالو۔ آپس میں ایک دوسرے کو لڑانا شروع کر دو۔"

اس مشورے اور "بریفنگ" کے دوران ایک عقلمند خرگوش بھی وہیں کہیں چھپا اپنے لمبے لمبے کانوں سے سب کچھ سن رہا تھا۔

وہ چپ چاپ واپس جانوروں میں گیا ان سب کو شیر لومڑی اور گیدڑ کے اس خفیہ پلان سے آگاہ کیا۔ ـــــ لیکن اتحاد اور تنظیم کے نئے نشے سے سرشار جانوروں پر اب غفلت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے خرگوش کی اس رپورٹنگ بلکہ وارننگ کو کوئی اہمیت نہ دی۔

نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا۔ مکار لومڑیوں اور عیار گیدڑوں نے وہی چکر چلایا اور ایسی پھوٹ ڈالی جو جانور کل تک ایک تسبیح کے منکوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک تھے اسی طرح منتشر ہو گئے جیسے تسبیح کی ڈور ٹوٹ جانے پر سارے منکے بکھر جاتے ہیں۔

ہاتھی دادا نے انھیں پھر سے متحد کرنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن لومڑی اور گیدڑ دونوں نے چھوٹے بڑے جانوروں میں شیر کی طرف سے طرح طرح کی لالچوں کا ایسا چکر چلایا کہ یہ جانور الٹا ہاتھی دادا کے خلاف ہو گئے۔

لیکن شیر ہاتھی دادا کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ ہاتھی دادا ٹھہرا اکثریتی جانور۔ وہ ایک پاؤں سے کئی جانوروں کو کچل سکتا تھا اور سونڈ سے شیر کو بھی اٹھا کر پھینک سکتا تھا۔

ہاتھی دادا بس افسوس کر کے رہ گیا۔ جانوروں کا اتحاد کیا پارہ پارہ ہوا جنگل میں خانہ جنگی بلکہ "جنگل جنگی" شروع ہو گئی۔ اور شیر چھوٹے جانوروں کے تر نوالے اڑانے لگا۔ اس کے مصاحبوں لومڑیوں اور گیدڑوں کے پانچوں پنجے گوشت میں اور منہ لہو کے آگے۔

لیکن ہاتھی دادا سے شیر کا یہ ظلم، لومڑی اور گیدڑوں کی لوٹ کھسوٹ اور "جنگل جنگی" (ANIMAL WAR) برداشت نہ ہو سکی۔ ایک دن اس نے پہلے تو شیر کو اپنی سونڈ سے اٹھا کر وہ پٹخنیاں دیں کہ شیر جی عفر لہا ہو گئے۔ لومڑی اور گیدڑ جنگل چھوڑ کر بھاگ گئے۔ سارے جانوروں نے اطمینان کا سانس لیا اور ہاتھی دادا نے سارا جنگل برابر برابر علاقوں میں بانٹ کر سارے جانوروں میں تقسیم کر دیا کہ اب متحد رہو اور عیش کرو۔ سارے جانوروں نے ہاتھی دادا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور خوشی کے مارے گانے لگے ـــــ

اپنا جنگل اپنا راج، ہاتھی دادا زندہ باد۔

مشقی سوالات

سوال نمبر ۱ = اس کہانی کے شیر اور سرمایہ دارانہ نظام میں کیا مشابہت ہے۔ تفصیل سے لکھو۔

سوال نمبر ۲ = بی لومڑی کس "جماعت" اور میاں گیدڑ کس "لیگ" کے نمائندے ہیں۔؟ ان جماعت اور اس لیگ کا پورا نام بتاؤ۔؟

سوال نمبر ۳ = کیا ہاتھی دادا کو چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔؟ صرف ایک سطر میں جواب دو۔

(تمت بالخیر)

یہ رائے ممتاز دانشور جناب ظفراللہ پوشنی کی ہے آپ بھی اس پر اظہار خیال کیجئے —— ادارہ



بنگالیوں کے دل کیسے جیتے جا سکتے ہیں؟

ظفراللہ پوشنی

مشرقی پاکستان میں گزشتہ چند ہفتوں سے رونما ہونے والے واقعات کی چھان بین اور اور پوری صحت کے ساتھ ان کا تفصیلی تجزیہ بے حد ضروری ہے تاکہ ہمارا باشعور طبقہ ان متبادل راستوں کو کچھ زیادہ وضاحت سے سمجھ سکے جو ایک پاکستان کی صورت میں مستقبل میں عوام اور حکومت کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے ان واقعات کو کم اہمیت یا معمولی حیثیت دینے کے رجحان نے حالات کو کسی قدر پیچیدہ بنا دیا ہے۔ لہٰذا مغربی پاکستان میں اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ "مجیب نے جیسا کیا ویسا پایا" یا "فوج طاقت کے ذریعہ کب تک مشرقی پاکستان پر قابو رکھ سکے گی" یا "ہمیں بنگال کو نوآبادی بنا کر اس پر حکومت کرتے رہنا چاہیئے" اور یا پھر یہ کہ پاکستان کی سالمیت کا تحفظ کرنے کے لئے چند لاکھ جانوں کی اہمیت کوئی معنی نہیں رکھتی —— لیکن میرا خیال ہے کہ وہ لوگ جو اس قسم کے تبصرے فرما رہے ہیں، اصل خیالات کی عکاسی کرنے سے محروم ہیں۔

موجودہ بحران پر تفصیلی تجزیہ کے لئے ان تمام حالات کا پس منظر جاننا ضروری ہے جو مشرقی پاکستان میں ہونے والے حالیہ "شوڈاؤن" پر منتج ہوا۔ اس طرح ایک ایسے سنجیدہ اور محتاط نتیجہ پر پہنچنا ممکن ہو سکتا ہے جو آئندہ بھی اس سلسلے میں ہمیں حالات کا ایک واضح اور غیر مبہم رخ متعین کرنے میں مدد دے سکیں۔

پاکستان کے قیام کے بارے میں لاتعداد نظریوں کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن اب ایک بات بہت واضح ہے اور وہ یہ کہ غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان کے قیام کی جنگ اس لئے لڑی تھی کہ وہ ہندوؤں کے مقابلے میں تہی دست تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ بھی ایک علیحدہ مملکت حاصل کر سکیں۔ جہاں وہ معاشی استحصال سے پاک ایک ایسی زندگی گزار سکیں جس میں انھیں اپنے مذہب اور اپنی ثقافت کے مطابق زندہ رہنے کی آزادی ہو۔ آخر آن کی ایک بڑی اکثریت اس نتیجہ پر بھی پہنچی تھی کہ صرف پاکستان کا قیام ہی ان کے خوابوں کی تعبیر نہیں بن سکتا صرف ایک حد بندی قائم کر کے وہ خوشحالی کا تصور نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے انھیں ایک اور جنگ لڑنا ہوگی تاکہ ایک بہتر اور منصفانہ سماجی اور اقتصادی نظام بھی قائم کر سکیں۔ یہ سبق لوگوں نے گو بہت دیر میں سیکھا۔ لیکن بہرحال وہ اس واضح نتیجے پر پہنچ گئے۔ اور اس کا اظہار انھوں نے دسمبر ۱۹۷۰ء میں ہونے والے پہلے عام انتخابات میں بہت واضح طور پر کر دیا۔ ان انتخابات میں جن دو جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور کالعدم عوامی لیگ نے اپنے منشور میں معاشی مسائل پر زیادہ زور دیا۔ لہٰذا انھوں نے بے مثال کامیابی حاصل کی۔ جبکہ مذہب کو بنیاد بنانے والی جماعتوں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔

اکثریت سے کامیاب ہونے والی دونوں جماعتوں پیپلز پارٹی اور کالعدم عوامی لیگ کے مقاصد اور عزائم میں بڑا فرق تھا۔ پیپلز پارٹی (یا اس کی ایک بڑی اکثریت) بائیں بازو کے افراد پر مشتمل جماعت تھی۔ جو چین دوست اور بھارت دشمن تھی اور مرکز کو مضبوط رکھنے کی خواہشمند تھی جبکہ کالعدم عوامی لیگ نے وہی طریقہ کار اپنایا جو دوسری جنگ عظیم کے وقت ہٹلر نے اپنایا تھا۔ اس نے بنگالیوں کے جائز اور صحیح مطالبات کو اچھالا لیکن اس سلسلے میں جو ذرائع اختیار کئے اس میں وہ کوئی بہتر توازن قائم نہیں رکھ سکی۔ وہ بنگال کے سرمایہ داروں کے نمائندہ کی حیثیت سے مغربی پاکستانیوں اور بالخصوص پنجابیوں کے خلاف زہر اگلنے اور اشتراکی نعرے دے کر وہ مشرقی پاکستانیوں کی ایک بڑی اکثریت کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب تو ہو گئی، لیکن انتخابات میں ووٹوں کے ذریعے بھاری اکثریت کا عملی ثبوت فراہم کرنے ہی اس نے تیر نکالنے شروع کر دیئے۔ ان کی سرگرمیوں سے یہ بات بہت جلد واضح ہو گئی کہ کالعدم عوامی لیگ کے رہنما پاکستان کو مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے انتخابات جیتنے کے بعد ایک مرتبہ بھی مغربی پاکستان آنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اور ہمیشہ یہاں آنے سے گریز کرتے رہے۔ انھوں نے مغربی پاکستان کو مکمل طور پر ایک غیر ملکی خطہ قرار دے کر اسے اس طرح دھتکار دیا کہ اس کے بارے میں کوئی بات چیت تک ان کے لئے گوارا نہیں رہی۔ ان رہنماؤں کو پاکستان کو دو ٹکڑے کر دینے کے سلسلے میں اپنے منصوبے پر اس قدر یقین تھا کہ وہ کسی بھی مسئلے پر سمجھوتے کے لئے تیار نہیں تھے۔

مشرقی پاکستان کے لاکھوں بلکہ کروڑوں افراد نے کالعدم عوامی لیگ کو خود مختاری اور ایک منصفانہ سماجی اقتصادی نظام کے نعرے پر ووٹ دیئے تھے وہ اس دھوکے میں تھے کہ یہ ایک اشتراکی جماعت ہے۔ لیکن اس کے حق میں انھوں نے اپنے ووٹوں کا استعمال اس لئے نہیں کیا تھا کہ پاکستان کو دو علیحدہ ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کا تقاضا کچھ ایسا تھا کہ عوام اپنے ان رہنماؤں کے پیچھے چلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور

مشرقی پاکستان کے بائیں بازو والوں کا مسئلہ

اگر وہ انھیں کسی ویران جنگل کی طرف بھی لے چلتے تو وہ ان کے پیچھے پیچھے ہی گھسٹتے رہتے۔ غلطیوں کا ازالہ کرنے اور ان کا تجزیہ کرنے کے لئے ایک وقت درکار ہوتا ہے۔ اور اس وقت لمحے اس تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے اس قسم کے تجزیہ کا کوئی وقت نہیں تھا۔

مشرقی پاکستان میں صحیح سوچ رکھنے والے ایک عجیب گومگو کے عالم میں تھے۔ ایک طرف تو وہ عوامی لیگ کے فاشی کردار کا اچھی طرح تجزیہ کر چکے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ کالعدم عوامی لیگ برسر اقتدار آتے ہی بائیں بازو کے ان عناصر کو ختم کر دے گی جو اس کے لئے کسی بھی وقت ایک موثر خطرہ بن سکتے ہیں۔ اور اس کے لئے وہ بنگلہ قومیت کا مقبول عام نعرہ استعمال کرے گی۔ یہ بات اب یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ بائیں بازو کے بنگالی اس خطرے سے اچھی طرح آگاہ تھے لیکن دوسری طرف بائیں بازو کے عناصر اس پوری بنگالی رائے عامہ سے بھی نہیں کٹ سکتے تھے جو اس وقت بڑی شدت سے زیادہ سے زیادہ خود مختاری (علیحدگی کی حد تک) کے حق میں تھی۔

ان کے ایک طرف کھائی تھی تو دوسری طرف گڑھا تھا۔ انھوں نے فوری طور پر بظاہر مجیب کو پوری معاونت فراہم کرنے اور اندر ہی اندر اس کی سیاسی بالادستی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن اس مرحلے پر فوج حرکت میں آگئی۔

بھٹو صاحب کی یہ بات حقیقت سے بہت زیادہ قریب تھی کہ ملک میں درحقیقت صرف تین طاقتیں ہیں۔ عوامی لیگ۔ پیپلز پارٹی اور فوج لیکن مجیب الرحمٰن اس کھلی ہوئی حقیقت کو نظر انداز کر گئے تھے۔ انھوں نے اس جنت میں رہنا شروع کر دیا تھا کہ طاقت کا سرچشمہ صرف اور اور صرف عوامی لیگ ہے۔ حالات سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کے بعد مجیب الرحمٰن اس قدر اڑیل پن کا شکار ہو گئے کہ ان کے سامنے یہ دلیل اور جواز بے معنی ہو گیا۔ ہر لمحہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے موقف میں اور سختی آتی گئی۔ اور پھر جلد ہی یہ بات واضح بھی ہو گئی کہ اس تمام اڑیل پن کا مقصد ایک مکمل آزاد بنگلہ دیش کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ یہاں اس بات پر یقین کرنے کی وجوہات بھی موجود ہیں کہ مجیب الرحمٰن کے لفٹیننٹ ان سے زیادہ آگے آگے قلابے ملا رہے تھے۔ "بنگلہ بندھو" اور ان کے قریبی مشیر انہیں خطرناک چٹانوں پر بے دھڑک دوڑتے رہے۔

کسی ملک کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا ایک بہت سنگین مسئلہ ہے۔ اور وہ لوگ جو صاحب اقتدار ہوتے ہیں، اس کی اجازت کسی قیمت پر نہیں دے سکتے۔ لنکن نے جنوبی ریاستوں کی علیحدگی کے خلاف جنگ کی تھی۔ نائیجیریا میں بھی علیحدگی پسند بیافرا کو ساتھ رکھنے کے لئے ایک طویل اور خونریز جنگ لڑی گئی۔ مجیب الرحمٰن یہ سوچ کر شدید قسم کی خوش فہمیوں کا شکار ہو گئے تھے کہ فوج اپنی تمام تر قوت کے باوجود انہیں یہ سب کچھ کرنے دے گی۔ وہ سازشی سیاست کا مرکز بنے رہے اور انھوں نے شاید ماؤزے تنگ کے اس مقولے پر کبھی غور نہیں کیا تھا کہ بندوق کی نالی سیاسی قوت کا سرچشمہ ہے یا شاید اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ ان کی پارٹی نے اتنا اسلحہ اسمگل کر لیا ہے کہ وہ پاکستان کی فوج سے جنگ کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ لیکن مآل کار یہ سب کچھ ایک دیوانے کے خواب سے زیادہ ثابت نہ ہوا۔

ان سب باتوں کے باوجود مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا حل ابھی بہت دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فوج پورے علاقے کو کالعدم عوامی لیگ کے اثرات سے پاک کر دے۔ فوج قانون کی بالادستی بھی تسلیم کرا سکتی ہے۔ اور ملک کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچا سکتی ہے۔ اس کے باوجود مشرقی پاکستان کے عوام کا دل جیتنے کی بات ہے۔ ہمیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ہے۔ کام یہ ہے کہ وہ کروڑوں عوام کی سوچ کے انداز کو رفتہ رفتہ تبدیل کرے۔ تاہم یہاں یہ بات کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ یہ ایک ایسا کام ہے جسے کرنے کے لئے ایک بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ صرف ایک طریقے سے بنگالیوں کا اعتماد دوبارہ بحال کیا جا سکتا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ بنگالیوں کے حالات زندگی بہتر بنانے کے لئے ایک بڑے منصوبے پر عمل کیا جائے۔ ہر قسم کے معاشی استحصال سے خواہ وہ مغربی پاکستان کے ہاتھ سے ہوا ہو یا خود ان کے اپنے استحصالیوں کے ہاتھ سے انہیں نجات دلائی جائے۔ وہاں بڑے پیمانے پر تعمیراتی پروگرام اور صنعتیں شروع کی جائیں تاکہ وہاں عوام کو روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوں۔ اور وہ اپنے حالات زندگی کو بہتر بنا سکیں۔ اب صرف الفاظ کا کھیل اور اتحاد کا نعرہ نہیں چل سکتا۔ ان کے جائز مسئلوں کا حل تلاش کرنے کے لئے فوری اور تیزی کے ساتھ کام ہونا چاہیئے۔ بنگالیوں کے دل اس طرح مسخر کئے جا سکتے ہیں جبکہ ان پر اعتماد بحال کرا دیا جائے کہ ہمیں ان کی خوشحالی اور بہبود کا مجیب الرحمٰن سے زیادہ احساس ہے۔ شیخ مجیب نے بنگال کا دل مغربی پاکستان سے منافرت اور خوش آئند وعدہ کی بنیاد پر جیتا تھا۔ جبکہ اب یہ عوام بہتر زندگی دینے کے وعدے کو ٹھوس اقدامات کے ذریعے عمل کے پیکر میں ڈھالنے کے بعد کیا جا سکتا ہے۔

بقیہ: عالمی سیاست

میں تعاون کرے جس سے عرب مصالحتی کمیشن اور فوجی نگراں کمیٹی اپنے فرائض کسی رکاوٹ کے بغیر انجام دے سکے۔

عرب مصالحتی کمیشن اور فوجی نگران کمیٹی گذشتہ سال ستمبر میں عرب اور فدائین کے جھگڑے ختم کرانے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ لیکن اردن نے اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے حالات پیدا کئے جس سے فوجی نگران کمیٹی اپنے فرائض موثر طور پر انجام نہ دے سکی۔ اور وہ عملی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ کمیٹی کے چیئرمین نے اردن پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اردن نے کبھی نگراں کمیٹی سے تعاون نہ کیا۔ اور ہمیشہ ایسے پیچیدہ حالات پیدا کئے گئے جس سے مصالحتی کمیشن اور نگراں کمیٹی کے لئے کام کرنا مشکل ہو گیا"



رشید پٹیل

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ اپنے مسائل کے سلسلے میں پوری سنجیدگی اور متانت کے ساتھ تمام گروہ بندیوں اور دھڑے بندیوں سے مبّرا ہوکر ہر کالج کی بدعنوان انتظامیہ کے خلاف جدوجہد کریں۔ ان کا احتساب کریں

انتظامیہ نے تعاون نہ کیا تو

اساتذہ گورننگ باڈی سے استعفےٰ دیدیں گے

اشرف شاد

گزشتہ دنوں لاہور میں ویسٹ پاکستان ٹیچرز ایسوسی ایشن کے مرکزی عہدیداران کے انتخابات عمل میں آئے۔ اس ایسوسی ایشن کا مرکز کراچی میں رہے گا اس لئے صدر، جنرل سیکرٹری پبلسٹی سیکرٹری اور خازن کے عہدے دار بھی کراچی ہی سے منتخب ہوتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر عہدیدار بلامقابلہ منتخب ہوتے سالبتہ صدر کے عہدے کے لئے سخت مقابلے کے بعد سراج الدولہ کالج کراچی کے جناب رشید پٹیل صدر منتخب کرلئے گئے۔ ان کے مقابلے میں اردو کالج کے محمد فاتقی بدایونی اور علامہ اقبال کالج کے مصطفےٰ احسین امیدوار تھے۔

محمد فاتقی صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مس اینتہ غلام علی کے امیدوار ہیں جو ایسوسی ایشن کی صوبہ سندھ کی صدر ہیں۔ اس کے علاوہ اساتذہ کی سیاست میں ایک اہم مقام رکھتی ہیں۔ اولاً ساتذہ کے نام ہتک عزت کے نوٹس بھیجنے کے سلسلے میں شہرت یافتہ ہیں۔ ایسا ایک نوٹس گذشتہ دنوں میں ہمیں اس وقت موصول ہوا تھا جبکہ ایسوسی ایشن کے کراچی ریجن کے انتخابات اور بعض کالجوں کی انتظامیہ کے ساتھ مل کر مارشل لائی تحقیقاتی رپورٹ کو بے اثر بنانے کے سلسلے میں ہم نے ان کی بعض غلطیوں کا احتساب کیا تھا۔ یہ نوٹس ہمیں

۱۸ فروری ۱۹۷۱ء کو ایک مقامی وکیل کی معرفت موصول ہوا تھا۔ اس میں دھمکی دی گئی تھی کہ ہم ایک ہفتے کے اندر اندر اساتذہ کی ان محترم رہنما سے دست بدستہ معافی مانگیں، ورنہ عدالت میں گھسیٹنے کے لئے تیار ہوجائیں — اینتہ صاحبہ شاید اپنی سیاسی گتھیاں سلجھانے اور انتخابات لڑنے اور لڑوانے میں کچھ اس طرح مشغول رہیں کہ وہ یہ مدتہ فراموش کرگئیں۔ کچھ ہماری مصروفیات اور کچھ جگہ کی

مختصراً یہ کہ اساتذہ کی اکثریت نے رشید پٹیل صاحب کو اپنا صدر منتخب کرلیا۔ اساتذہ کے بعض حلقوں کے مطابق فاتقی صاحب کے سلسلے میں بعض باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے وہ بحیثیت مرکزی صدر اساتذہ کے لئے قابل قبول نہ ہوئے۔ اولاً تو اینتہ صاحبہ کا مسئلہ تھا۔ دوئم انھوں نے اردو کالج میں ٹیچرز ایسوسی ایشن کی جنرل باڈی میں ہونے والے اس فیصلے کو، کہ اساتذہ گورننگ باڈی کے انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے کھلم کھلا

ایسوسی ایشن کے فیصلے کو ناکام بنانے والوں کا ساتھ کون دے رہا ہے؟

قلت ایسی رہی کہ ہم بھی اس طرف دھیان نہ دے سکے، لیکن اب انتخابات کے نئے داؤں پیچ ہوئے تو یہ ذکر خیر ایک بار پھر تازہ ہوگیا۔

بہ حال، بات محمد فاتقی صاحب کی امیدواری کی تھی۔ اینتہ صاحبہ ان کو انتخابات لڑوانے خود تو تشریف نہ لیجا سکی تھیں۔ لیکن ایک پورا گروپ ان کے ہمراہ گیا تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا اس کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ لیکن اس وقت اس کا تذکرہ کچھ زیادہ برمحل نہیں ہے۔ سبوتاژ کیا تھا۔ اردو کالج میں گورننگ باڈی کی تشکیل کے وقت ان انتخابات کی حمایت میں

تقریریں کیں۔ اور اس طرح دوسرے اساتذہ کے ساتھ مل کر ایسوسی ایشن کی جنرل باڈی کے ایک فیصلے کو ناکام بنایا تھا۔ یہ بات حیرت انگیز ضرور ہے کہ فاتقی صاحب کو ایسوسی ایشن کے عہدیداروں کی حمایت کیوں حاصل تھی۔ جن کی سرکردگی میں جنرل باڈی نے گورننگ باڈی کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن ان حلقوں کا کہنا ہے کہ فیصلے کو ناکام بنانے والے عناصر کا ساتھ دینے کی یہ کوشش ان لوگوں کے لئے تعجب کا باعث نہیں ہونی چاہئے جو درون خانہ احوال سے آگاہ ہیں۔ فاتقی صاحب

کو اینتہ غلام علی کے علاوہ تنظیم اساتذہ کی حمایت حاصل تھی جس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس کے سر پر جماعت اسلامی کا دست شفقت ہے۔ تاہم تمام صورت حال کا ایک مثبت پہلو یہ تھا کہ ہمارے اساتذہ کرام نے جن کا شمار ہمارے پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے دانشوروں میں ہوتا ہے ان تمام کشیدگیوں کے بعد بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کے وعدے کئے۔

انتخابات میں جناب رشید پٹیل کے علاوہ جو لوگ منتخب ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ نائب صدر فضل الرحمٰن عثمانی (پنجاب) پروفیسر محمد طاہر (سندھ) جنرل سیکرٹری۔ پروفیسر شوکت حسین (کراچی) شرکائے معتمد پروفیسر بشیر احمد ملک (پنجاب) پروفیسر انیس زیدی (سندھ) مالیاتی سیکرٹری پروفیسر برہان شاہد (کراچی) پبلسٹی سیکرٹری مسز ذکیہ سرور (کراچی) اس کے علاوہ مجلس عاملہ کے اراکین کے طور پر جو لوگ منتخب ہوئے ان کے نام یہ ہیں :— پروفیسر ایرک سپرین، پروفیسر منیر احمد، پروفیسر مسز نقوی اور پروفیسر منہاج الدین (لاہور) پروفیسر حمیدہ صغریٰ، پروفیسر مس ساجدہ جمیل، پروفیسر عتیق احمد اور پروفیسر اعظم خان سوری (کراچی)، پروفیسر خواجہ مسعود، پروفیسر مس ساجدہ جعفر، پروفیسر چوہدری فضل حسین اور پروفیسر سلیم بیتاب (راولپنڈی)

لاہور میں ہونے والے ان انتخابات کے بعد اساتذہ کا اجلاس عام منعقد ہوا۔ جس میں منتخب عہدیداروں نے تقاریر کیں۔ نئے منتخب ہونے والے صدر جناب رشید پٹیل نے اپنی تقریر میں اساتذہ کے مطالبات پر روشنی ڈالتے ہوئے بہت سے اہم مسائل پر بڑی تفصیل سے گفتگو

اساتذہ اپنے بغلی چھروں سے ہوشیار رہیں

کی۔ انھوں نے کہا کہ ایسوسی ایشن ایک طرف تو نجی کالجوں سے انتظامیہ کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کرانا چاہتی ہے تو دوسری طرف وہ حکومت کو تعلیم کے شعبے میں اس کی اپنی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ کرنا چاہتی ہے انھوں نے کہا کہ پچھلے ۲۳ سالوں سے اساتذہ ایسے سروس رولز کا مطالبہ کر رہے ہیں جس سے ان کی ملازمتوں کا تحفظ ہو سکے۔ حکومت نے اس سلسلے میں آج تک کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اور اب آرڈی ننس آنے کے بعد یہ مسئلہ گورننگ باڈیز کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ جہاں انتظامیہ کے لوگوں کی اکثریت ہے اس لئے اس بات کا امکان موجود نہیں کہ ہر کالج میں ایسے سروس رولز نافذ ہو سکیں جو اساتذہ کی ملازمتوں کا تحفظ کر سکیں۔ انھوں نے بتایا کہ اساتذہ پچھلے چار سالوں سے تنخواہوں میں اضافہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیکن یہ مطالبہ آج تک منظور نہیں ہوا۔

اساتذہ کے حالات کار اور تنخواہوں کے اسکیل کے بارے میں نافذ شدہ آرڈی ننس پر تنقید کرتے ہوئے رشید پٹیل صاحب نے اجلاس عام کو بتایا کہ یہ آرڈی ننس نجی کالجوں کی انتظامیہ اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے۔ اس طرح ایک طرف حکومت اپنی مالی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا چاہتی ہے تو دوسری طرف اس نے انتظامیہ کے ہاتھ مضبوط کئے ہیں۔ تاکہ وہ طالب علموں اور اساتذہ کا استحصال جاری رکھ سکے۔ اس موقع پر انھوں نے گورننگ باڈیز کی تشکیل کے طریقہ کار پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ اعلان بھی کیا کہ اگر انتظامیہ نے گورننگ باڈیز میں اساتذہ سے تعاون نہ کیا تو پورے مغربی پاکستان کے اساتذہ اپنی اپنی گورننگ باڈی سے مستعفی ہو جائیں گے۔

اجلاس عام میں جناب رشید پٹیل کے علاوہ ایسوسی ایشن کے سابق صدر جناب منیر احمد سابق سیکرٹری جناب مفضل الرحمٰن عثمانی صوبہ پنجاب کے صدر ظہور احمد اور جناب فائق بدایونی نے بھی تقاریر کیں۔ فائق صاحب نے اپنی تقریر میں یقین دلایا کہ وہ نئے منتخب عہدیداروں کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اور اساتذہ کی ہر جدوجہد میں پوری طرح ساتھ رہیں گے۔

انتخابات کا یہ زور شور اب پوری طرح ختم ہو چکا ہے۔ ہر ریجن اور صوبے ساتھ مرکز کے انتخابات مکمل ہو چکے ہیں۔ اور اساتذہ کی اس نمائندہ ایسوسی ایشن کا یہ تنظیمی دور پورا ہو گیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ اپنے مسائل کے سلسلے میں پوری سنجیدگی اور متانت کے ساتھ تمام گروہ بندیوں اور دھڑے بندیوں سے بالا ہو کر ہر کالج کی بدعنوان انتظامیہ کے خلاف جدوجہد کریں ان کا احتساب کریں۔ یہ سب کچھ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے صرف اساتذہ کو مالی مفادات حاصل نہیں ہوں گے بلکہ اس کے اثرات کالجوں میں پڑھنے اور تربیت پانے والی اس نئی نسل پر بھی پڑیں گے جو ان کالجوں میں علم و ہنر کے اسباق سیکھنے آتی ہے۔ لیکن انتظامی بدعنوانیوں، سیاسی دھڑے بندیوں اور اساتذہ کے غیر تسلی بخش حالات کار کے باعث مایوسیوں کا ایک گٹھر اپنی کمر پر باندھ کے باہر نکلتی ہے۔ اس موقع پر جو اساتذہ کسی بھی طرح انتظامیہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر اس کے مفادات کی علمبرداری کرنے لگے تو وہ صرف اپنی برادری کے مفادات سے ہی غداری نہیں کریں گے۔ بلکہ پوری قوم کے ساتھ بددیانتی کرنے کے مجرم ہوں گے۔

ہمیں اساتذہ کی تحریک اور ان کے مسائل سے پوری دلچسپی ہے۔ لیکن ان کی سیاسی گروہ بندیوں سے اور ان کے تضادات سے یا ان تضادات کو مزید تیز کرنے اور بڑھانے سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم اسے بہتر سمجھتے ہیں۔ لیکن گزشتہ سال اپریل میں ہونے والی صحافیوں کی ملک گیر ہڑتال نے ہمیں بہت سے تجربے دیئے ہیں۔ اساتذہ کی توجہ ہم صرف انہیں تجربات کی طرف دلانی چاہتے ہیں۔ تاکہ اپنی جدوجہد میں وہ بغلی چھروں سے محفوظ رہنے کے لئے زاویئے تلاش کر لیں۔ اس کے ساتھ ہی اساتذہ کو ان معروف چھرے مار نام نہاد صحافیوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے جو اساتذہ کی سیاست میں ایک گندا کردار ادا کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ٹرسٹ کے ایک مقامی روزنامے میں ایک برخوردار قسم کے صحافی نے جنھوں نے صحافت کے 'ص' کا تلفظ ابھی حال ہی میں سیکھا ہے اور جو چائے پانی پی کر ڈائریاں لکھنے میں بہت مشہور رہیں گذشتہ دنوں بزعم خود ایک تیر مارا ہے۔ انھوں نے انیتہ غلام علی صاحبہ کی ایک بڑی سی تصویر شائع فرما کر ان کی شان میں مدح سرائی کی ہے اور ایک دوسرے گروپ کو جو اکثریت کے ساتھ مرکز کے انتخابات میں کامیاب ہوا ہے بڑی تیکھی گالیوں سے نوازا ہے۔

پورے کالم کو پڑھ کر ایک عام آدمی کو یہی محسوس ہوتا ہے کہ محترمہ انیتہ غلام علی یا ان سے متعلق کسی اور صاحب کا لکھوایا ہوا ہے۔ ممکن ہے ایسا نہ ہو اور یقیناً ایسا ہونا بھی نہ چاہیئے۔ اس لئے اساتذہ کے درمیان ایک صحت مند ماحول پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انیتہ صاحبہ اس قسم کے نام نہاد صحافیوں کی کی حوصلہ افزائی نہ فرمائیں۔ ورنہ اس سے خود ان کی پوزیشن مزید متاثر ہو سکتی ہے۔ جہاں تک ہمارے احتساب کرنے اور پھر اس پر انیتہ صاحبہ کے قانونی نوٹس کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اس قسم کے چھوٹے موٹے پروانے ہماری صحت پر کبھی اثر انداز نہیں ہوتے۔ جس بات کو ہم سچا اور برحق سمجھتے ہیں اس پر لکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ اس کی لپیٹ میں کون آتا ہے۔ الفتح کا ہر پرچہ ہمارے اس دعوے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

انیتہ صاحبہ برخوردار صحافیوں کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں تو اُن کی پوزیشن مزید متاثر ہوگی

مغربی پاکستان ٹیچرز ایسوسی ایشن کی قراردادیں

اساتذہ ـــــ سراپا احتجاج

لاھور میں ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہونے والے اساتذہ کے اجلاس عام میں متعدد قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔ یہ قراردادیں پورے مغربی پاکستان کے نجی کالجوں کے مسائل پر محیط ہیں اس لئے یہ تمام قراردادیں ہم مختصراً شائع کر رہے ہیں۔

۱۔ یہ اجلاس اس صورت حال پر سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ نوکر شاہی کے بعض مستحکم عناصر نے نجی کالجوں کی انتظامیہ سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور اس طرح وہ اساتذہ کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بات اب صیغہ راز میں نہیں رہی ہے کہ پنجاب کے تعلیمی سیکرٹری پنجاب کے تعلیمی وڈیروں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ یہ امر قابل شرم ہے کہ ایسا شخص جس کی عمر کا بڑا حصہ استاد کی حیثیت سے گزرا ہو اب اساتذہ کے مفادات کی نفی کرنے میں مصروف ہے۔ مغربی پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کی جنرل کونسل کا یہ اجلاس پنجاب کے صوبائی تعلیمی سیکرٹری پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتا ہے اور گورنر پر یہ زور دیتا ہے کہ وہ ان کی جگہ کسی ایسے شخص کا تقرر کریں جو اساتذہ سے ہمدردی رکھتا ہو اور تعلیم کے جو مقاصد ہیں ان کا وفادار ہو۔

۲۔ ایسوسی ایشن کی جنرل کونسل کا یہ اجلاس اس بات پر سخت احتجاج کرتا ہے کہ حکومت نے مالیاتی امور کے سلسلے میں اساتذہ سے جو وعدے کئے تھے، وہ انہیں پورا نہیں کر سکی ہے۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں تعلیمی پالیسی کے اعلان کے وقت یہ کہا گیا تھا کہ مغربی صوبے میں نجی اداروں کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے کے لئے ۱۱ کروڑ روپے مختص کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک وعدے سے زیادہ نہ تھا۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے کے لئے خصوصی امدادی فنڈز فوری طور پر کالجوں کو ادا کئے جائیں۔

۳۔ یہ اجلاس حکومت کی توجہ اس طرف بھی دلانا چاہتا ہے کہ نجی کالجوں کو چلانے والے ادارے (PARENT BODIES) مالی مشکلات پیدا کر کے نئی تشکیل شدہ گورننگ باڈیز کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ کالجوں کے وہ اثاثے جوان کے نام ہیں کالجوں کو منتقل نہیں کئے بلکہ وہ سالانہ اخراجات کے لئے اپنے حصہ کی ۲۵ فی صد رقم بھی ادا نہیں کر رہے ہیں۔ یہ مصنوعی بحران پیدا کر کے وہ آرڈی ننس کے بعض اچھے پہلوؤں کو ناکام بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ اجلاس گورنر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس مسئلے میں ذاتی طور پر مداخلت کریں۔

۴۔ ایسوسی ایشن کا یہ اجلاس پرائیویٹ کالج آرڈی ننس میں ہونے والی ترمیمات میں عدم اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔ اس آرڈی ننس کا مقصد نجی کالجوں کے اساتذہ کے حالات کار اور تنخواہوں کے اسکیل کو سرکاری اساتذہ کو ملنے والی سہولتوں کے مطابق بنانا تھا۔ اس آرڈی ننس نے حکومت کو اس سلسلے میں قانون سازی کے مناسب اختیارات دیئے تھے۔ لیکن اب نوکر شاہی نے کالجوں کی انتظامیہ

> **نوکر شاہی کے بعض مستحکم عناصر نے نجی کالجوں کی انتظامیہ سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے**

کے دباؤ میں آ کر آرڈی ننس میں ترمیم کر کے قانون سازی کے یہ اختیارات کالجوں کی گورننگ باڈیز کو منتقل کر دیئے ہیں۔ یہ اجلاس سمجھتا ہے کہ اس ترمیم کے ذریعے حکومت نے اساتذہ کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور تعلیمی پالیسی کی روح کو متاثر کیا ہے۔ یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ یہ ترمیم فوری طور پر واپس لے لے۔

۵۔ جنرل کونسل کا یہ اجلاس انجمن حمایت اسلام اسکے حواریوں اور بعض بچوں کی شدید مذمت کرتا ہے جنھوں نے اساتذہ کی تحریک کو ناکام بنانے کے لئے ان کے خلاف ایک گھناؤنی سازش تیار کی۔ اور "اسلام خطرے میں ہے" کا پرانا نعرہ استعمال کر کے ایسوسی ایشن کے صدر، جنرل سیکرٹری اور تین سرگرم کارکنوں کے خلاف غلط اور بوگس الزامات کے تحت انکوائری کرائی جس کے نتیجے میں ایسوسی ایشن کے صدر، جنرل سیکرٹری اور مرکزی عاملہ کے ایک رکن کو برطرف کر دیا گیا جبکہ دوسرے دو اساتذہ کی سالانہ ترقیاں روک لی گئیں۔ یہ اجلاس اساتذہ کے مفادات کے لئے پوری جرأت و بے باکی اور بے غرضی کے ساتھ جدوجہد کرنے والے ان اساتذہ کو خراج تحسین پیش کرتا ہے اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ فوری طور پر ان اساتذہ کو ان کی ملازمتوں پر بحال کرے اور دوسرے اساتذہ کی ترقیاں روکنے کے احکامات کو منسوخ کرے۔ یہ اجلاس یہ بھی فیصلہ کرتا ہے کہ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کی نومنتخبہ گورننگ باڈی میں اساتذہ کے نمائندے اس مسئلے پر سخت موقف اختیار کریں اور ریجنل سیکرٹری کو اس سلسلے میں ہونے والے اقدامات سے آگاہ کریں۔

۶۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ سندھ میں گورننگ باڈیز کے فیصلوں کے خلاف اساتذہ کی شکایات کی سماعت کے لئے ایک اپیلٹ ٹربیونل قائم کیا جائے اور اس سلسلے میں آرڈیننس میں ضروری ترمیم کی جائے۔

۷۔ یہ اجلاس اس بات پر بھی شدید احتجاج کرتا ہے کہ نجی کالجوں کی انتظامیہ نے حکومت کے نظرثانی شدہ تنخواہوں کے اسکیل ابھی تک نافذ نہیں کئے ہیں۔ یہ اجلاس سرکاری کالجوں اور نجی کالجوں کے اساتذہ کی تنخواہوں کے درمیان عدم مساوات کو ناانصافی پر مبنی قرار دیتا ہے۔ اور حکومت پر زور دیتا ہے کہ وہ نجی کالجوں کے انتظامی اداروں کو ہدایت کرے کہ وہ بھی اپنے کالجوں میں تنخواہوں کا سرکاری سکیل مقرر کریں۔ یہ اجلاس یہ فیصلہ بھی کرتا ہے کہ اگر کسی انتظامیہ نے تنخواہوں کے مذکورہ اسکیل نافذ نہیں کئے تو اس کے خلاف زبردست مہم چلائی جائے گی۔

۸۔ یہ اجلاس سندھ پرائیویٹ کالجز مینجمنٹ اینڈ مینٹیننس آرڈی ننس کے تحت مقرر کردہ کم از کم تنخواہ -/۳۵۰ روپے کے اسکیل کو نامنظور کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ یہ اسکیل سرکاری کالجوں کے اساتذہ کے اسکیل کے مساوی کیا جائے۔

۹۔ یہ اجلاس اس امر پر زبردست احتجاج کرتا ہے کہ گارڈن کالج راولپنڈی کی انتظامیہ نے آرڈی ننس کی روح کو سبوتاژ کرتے ہوئے گورننگ باڈی کے انتخابات میں تاخیر کی اور اس میں اپنے مطلب کے نمائندے بھیجنے کے لئے عملے کے ارکان میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ اجلاس راولپنڈی ریجن کے محکمہ تعلیمات سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ آرڈی ننس کے نفاذ کی تاریخ سے قبل کے عملے کی فہرست کے تحت گورننگ باڈی کے انتخابات منعقد کرانے کا حکم جاری کریں۔

۱۰۔ اس اجلاس کو یہ جان کر سخت دکھ ہوا ہے کہ کلیۃ البنات لاہور کی انتظامیہ نے عملے کو گزشتہ پانچ مہینوں سے تنخواہیں تقسیم نہیں کی ہیں۔ (یہی صورت حال کراچی اور سندھ کے دوسرے نجی کالجوں میں بھی ہے) یہ اجلاس سیکرٹری تعلیم، صوبہ پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کالج کے انتظامی ادارے کو حکم دیں کہ وہ عملے کی تنخواہوں کو فوری ادائیگی کرے اور کالج کے اخراجات کے لئے اپنے حصے کی پچیس فی صد رقم بھی ادا کرے۔

۱۱۔ یہ اجلاس مرے کالج سیالکوٹ کے سابقہ بورڈ آف گورنرز کے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ جس کے تحت بہت سے اساتذہ کی سالانہ ترقیاں روک دی گئی ہیں۔ یہ اجلاس اس فیصلے کو غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے نومنتخبہ گورننگ باڈی پر زور دیتا ہے کہ وہ اس فیصلے کو کالعدم قرار دے۔

۱۲۔ یہ اجلاس کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی کے اس فیصلے کے خلاف بھی احتجاج کرتا ہے جس کے تحت اس نے سی بی ٹیچرز ایسوسی ایشن سے اپنی منظوری منسوخ کرالی ہے۔ نتیجہ کے طور پر بورڈ نے صدر اور جنرل سیکرٹری کی ملازمت اظہار وجوہ کے کسی نوٹس کے بغیر ختم کر دی ہے۔ یہ اجلاس مذکورہ ایسوسی ایشن کے مطالبات کی پوری حمایت کرتا ہے۔ اور اسے اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہے۔

مغربی بنگال کے عوام بھارتی حکومت کے خلاف

علمِ بغاوت بلند کر چکے ہیں



احمد آباد کے ایک پورے محلے کو فسادیوں نے آگ لگا کر تباہ کر دیا

الفتح فیچر

جنگِ ستمبر میں پاکستانی عوام نے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کر کے اپنے وجود کا لوہا منوایا تھا۔ خیال تھا کہ تاریخ کے اِس اٹل فیصلے کے سامنے بھارت کا توسیع پسند حکمران ٹولہ، سامراجی ملک اور رجعت پسند اپنا سر جھکا دیں گے اور اس بات کو دل سے قبول کر لیں گے کہ پاکستان ایک ٹھوس حقیقت ہے اور پاکستانی عوام اپنی آزادی، خود مختاری اور سالمیت کے لئے جان دے دیں گے مگر بیرونی جارحیت اور تسلط کو کسی قیمت پر گوارا نہ کریں گے۔" لیکن تاریخ کے اس فیصلے کو امریکی سامراج، سوشل سامراج برطانیہ اور بھارت کے لٹیرے طبقے نے تسلیم نہ کیا اور وہ اپنے گٹھ جوڑ سے در پردہ مسلسل ایسی سازشیں کرتے رہے جس سے پاکستان کا وجود ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے اور بھارت کو ایک "مہان طاقت" کی صورت میں ایشیا کے عوام کی قسمت سے کھیلنے کا موقع مل جاتے۔

جنگ ستمبر میں بھارت کی بہادر سینا کی جو درگت بنی اس کا تماشہ ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بھارت کا حکمران ٹولہ برسوں تک اپنی چوٹ سہلاتا رہا۔ سیاسی مبصروں کی رائے تھی کہ پاکستان کی سرحدوں پر بُری طرح مار کھانے والی بھارتی فوج پھر کبھی اِدھر کا رُخ نہ کرے گی، اور نہ ہی کانگریسی حکومت پاکستان کے وجود کو مٹانے کے لئے دیدہ دلیری سے کوئی سازش تیار کرے گی۔ لیکن پاکستان کے حالیہ بُحران سے فائدہ اُٹھا کر پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے والی بھارتی حکومت نے سیاسی مبصروں کی اس رائے کو غلط قرار دے دیا کسی نے خوب کہا ہے

"چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے"

بھارتی حکومت جس بات کا بہانہ بنا کر پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہی ہے وہ بین الاقوامی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ دنیا کا کوئی قانون، کوئی اصول بھارتی توسیع پسندوں کے موقف کی تائید و توثیق نہیں کر سکتا۔ لیکن بھارت کے حکمران ٹولے کو امریکی سامراج اور روسی سوشل سامراج کی بھرپور حمایت حاصل ہے اس لئے وہ کھلی ننگی جارحیت پر اُتر آیا ہے اور انتہائی ڈھٹائی سے پڑوسی ملکوں کی سرحدوں کے احترام کے مسلمہ اصولوں کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔

بھارتی ڈھنڈورچی نام نہاد "آزاد بنگلہ دیش" کی رٹ لگائے پھرتے ہیں۔ اور بھارت کا حکمران ٹولہ مشرقی پاکستان کے عوام کی ہمدردی میں مگرمچھ کے آنسو بہا رہا ہے۔ من گھڑت قصے کہانیاں سنا کر بین الاقوامی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی شرمناک کوششیں کی جا رہی ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ کے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور رسالے نت نئے قصے اور فرضی داستانیں گھڑ گھڑ کر بھارتی عزائم کو تقویت پہنچانے میں مصروف ہیں۔ یوڈ گورنی تشویش کا اظہار کر رہے ہیں اور بھارت کا حکمران ٹولہ ان حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر پاکستانی سرحدوں پر بے تحاشہ فوجیں اور ہتھیار اکٹھا کرنے میں مصروف ہے۔ پاکستان نے اپنی علاقائی سالمیت کو برقرار رکھنے کی کارروائی کی تو امریکہ اور روس دونوں چیخ اُٹھے لیکن انھوں نے آج تک بھارت میں لاکھوں کروڑوں اقلیتوں کے بارے میں کسی تشویش کا اظہار نہ کیا جو تیئس سال سے خوف و ہراس کے ماحول میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہر سال بھارت میں فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں اور سینکڑوں بیگناہ افراد قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ لاکھوں روپے کی جائداد اور املاک تباہ کر دی جاتی ہیں لیکن اس کی مذمت میں ایک لفظ بھی نہ کہا گیا۔ اور نہ کبھی بھارتی حکومت کو اس کے فرائض کا احساس دلایا گیا۔

سامراجی پریس نے ہمیشہ بھارت کے گھناؤنے سیاسی کردار کو چھپانے اور اُس کے سیاسی جرائم پر پردہ ڈالنے کا فرض انجام دیا ہے اور بیرونی ملکوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ بھارت ایک آزاد، نیم ترقی پسند اور جمہوری ملک ہے۔ بھارت دوسرے ملکوں، خصوصاً پڑوسی ملکوں کا احترام کرتا ہے، لیکن بھارت کا سیاسی کردار ہمیشہ اس پروپیگنڈے کا برعکس ثابت ہوا۔ بھارت کے حکمران ٹولے نے اپنی منفی سوچ کی بدولت پاکستان کے وجود سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے انتہائی گھناؤنی سازشیں بھی کرتا رہا۔ مشرقی پاکستان، پاکستان کے وجود کا ایک لازمی حصّہ ہے۔ پاکستان اپنے کسی حصّے کو قائم و دائم رکھنے کی ہر کارروائی میں حق بجانب ہے لیکن بھارت نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر پاکستان کے اندرونی معاملات میں اپنی ٹانگ اڑا دی اور فرضی داستانوں کے ذریعہ

دنیا کو یہ باور کرانے کی کوششیں شروع کر دیں کہ مشرقی پاکستان کے عوام پر ظلم و تشدد کیا جا رہا ہے۔"

بھارت کے دل میں مشرقی پاکستان کے عوام کے لئے یکایک ہمدردی کا جذبہ پیدا ہونا خاصا معنی خیز ہے۔ بھارت کو مشرقی پاکستان کے عوام سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وہ تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو مٹانے کی ایک دیرینہ خواہش پوری کرنا چاہتا ہے۔ اگر اُسے مشرقی پاکستان کے عوام سے ہمدردی ہوتی تو سب سے پہلے وہ اپنے ملک کی اقلیتوں کی خبر گیری کرتا۔ ان کی جان و مال کے تحفظ کے انتظامات کئے جاتے اور بھارتی عوام کے گلے سے سامراج کی بخشی ہوئی اقتصادی پالیسی کا جوا اتار کر انھیں حقیقی معنوں میں سیاسی آزادی اور معاشی خوشحالی سے ہمکنار کیا جاتا۔ جو ملک اپنے عوام کے دُکھ درد کا مداوا نہیں کر سکتا بھلا اسے دوسرے ملکوں کے عوام کی آزادی اور خوشحالی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور اگر ایسی کوئی دلچسپی پیدا کر لی گئی ہے تو وہ خالی از علت نہیں۔

بھارت کی اقلیتیں کس قسم کی زندگی بسر کر رہی ہیں،



بھارت کا ایک شہر جلگاؤں جل رہا ہے

مہاراشٹر میں ہندو مسلم فسادات پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"میں انسانوں کے قتلِ عام پر انتہائی دُکھی ہوں، میرے حواس معطل ہو چکے ہیں۔ بربریت کی داستانوں پر اب کسی ردِّ عمل کا اظہار ممکن نہیں رہا۔ بربریت کے ہر نئے واقعہ سے میرے جغرافیے کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ شارپ ویل جنوبی افریقہ میں ہے، جہاں سفید فاموں نے سیاہ فاموں کو قتل کر دیا۔ مائی لائی ویت نام میں ہے جہاں امریکی فوجیوں نے عورتوں اور بچوں کو مار ڈالا۔ بالکل اسی طرح اپنے ملک کے بارے میں بھی میرے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جبلپور، بھیونڈی اور جلگاؤں کے لوگوں نے مسلمانوں کے ایک پورے خاندان کو جہاں شادی کی تقریب ہو رہی تھی زندہ جلا دیا۔ دولہا جلا دیا گیا۔ اور عروسی کے جوڑے میں ملبوس دلہن کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا۔ جلگاؤں۔ کس قدر موزوں نام رکھا گیا ہے"۔

مہاراشٹر اور احمد آباد کے فسادات نے ۱۹۴۷ء کے ہولناک واقعات کو بھی مات کر دیا۔ سابق وزیر داخلہ مسٹر چاون نے ایک ایسی مظلوم عورت سے ملاقات کی جس کے چار بچوں کو جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا تھا۔ مسٹر چاون کی تسلیوں

اس نے آج تک اُن کے لئے کیا کیا؟ بھارت میں رہنے والی عیسائی اقلیت کے تقریباً نو رہنماؤں نے ۱۴ اپریل ۱۹۵۳ء کو اپنے مشترکہ دستخطوں سے بھارتی حکومت کو ایک احتجاجی مراسلہ روانہ کیا تھا جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ عیسائیوں کی جان و مال کے تحفظ اور مذہبی تقریبات کی مکمل آزادی کی ضمانت دی جائے۔

ستمبر ۱۹۵۰ء میں عیسائیوں کے رہنما اور پارلیمنٹ کے رکن مسٹر فرینک انتونی نے تقریر کرتے ہوئے کہا "دستور میں ہماری کمیونٹی کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے، اس کے باوجود ملک کے گوشے گوشے میں عیسائی اقلیت اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محسوس کرتی ہے۔ اس میں بے چینی پھیل رہی ہے۔ مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے گا۔ کیوں کہ کچھ صوبوں اور ریاستوں میں اقلیتوں سے متعلق پالیسیاں روز بروز فرقہ واریت اور رجعت پسندی کا شکار ہوتی جا رہی ہیں اور موجودہ حالات اس حد تک ابتر ہو چکے ہیں کہ اکثریتی کمیونٹی کے رہنما فرقہ وارانہ پالیسیوں کی تبلیغ واشگاف الفاظ میں کرنے لگے ہیں اور اگر اقلیتی فرقہ کا کوئی رہنما اس کے خلاف احتجاج کرتا ہے تو اُسے معتوب کیا جاتا ہے"۔

بھارت کے وزیر قانون ڈاکٹر امبید کر نے



"جب میرا گھر لُوٹا جا رہا تھا اور میرے چار بچّوں کو زندہ جلایا جا رہا تھا۔ اُس وقت تم کہاں تھے، تمہاری پولیس کہاں تھی"

چاون سے ایک مظلوم عورت کی فریاد

کر رہی ہیں، اور اُن کی جان و مال کی حفاظت کے لئے کیا انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس کے بارے میں بھارت کے پہلے وزیر اعظم سورگباشی پنڈت جواہر لال نہرو کی زبانی سُنیے۔

"ہم بھارتی باشندے اپنے اندرونی تضادات کے سبب متنازعہ بن گئے ہیں۔ ہم عدم تشدد اور اہنسا کی باتیں کرتے ہیں، لیکن ہمارے اعمال کسی مہذب قوم کے شایانِ شان نہیں اور ہم انتہائی پست درجہ تک گر گئے ہیں"

"بمبئی ڈیلی" کے مدیر خشونت سنگھ نے



ہندوستان کے وسط میں ایک شہر ہے جہاں ایک ہندو لڑکی اور ایک مسلمان لڑکے کی محبت، فرقہ وارانہ فسادات کا سبب بن گئی اور انتقام کی آگ میں سلگنے والے سینکڑوں ہندوؤں نے بے گناہ مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا۔ اسی طرح علی گڑھ، رانچی اور رنگ آباد اور احمد آباد علم و ادب، صنعت و حرفت اور قدیم روایتوں کا گہوارہ نہ رہے بلکہ اب وہ فسادات کے شہر بن گئے ہیں۔ جب سے میں بمبئی آیا ہوں، ہندوستان کے دیہات کے بارے میں بھی میرا علم بڑھا ہے۔ ماہاڈ، بھیونڈی، تھانہ، ڈمبیلوی، بھلا جگاؤں

کے جواب میں اُس عورت نے روتے ہوئے کہا، "جب میرا گھر لوٹا جا رہا تھا اور میرے بچوں کو زندہ جلایا جا رہا تھا، اس وقت تم کہاں تھے۔ تمہاری پولیس کہاں تھی"۔

اس مظلوم عورت کا سوال آج بھی بھارت میں رہنے والی تمام اقلیتوں کے دل کی آواز ہے۔ فسادات کے وقت پولیس کہاں چھپی رہتی ہے۔ بھارتی حکومت جو اقلیتوں کی جان و مال کے تحفظ کے بلند بانگ دعوے کرتی ہے،

کئی بار بھارتی حکومت پر الزام عائد کیا کہ وہ پسماندہ قوموں کے ساتھ بڑی ناانصافی سے کام لیتی ہے اور انھیں اُبھرنے یا ترقی کرنے کے مواقع نہیں دیئے جاتے ہیں۔

بھارت کی دوسری بڑی سکھ اقلیت کے رہنما ماسٹر تارا سنگھ اور دوسرے رہنماؤں نے کئی بار کانگریسی حکومت پر سنگین الزامات لگائے کہ وہ سکھوں کی مذہبی آزادی میں رکاوٹ پیدا کرنے والی پالیسیاں وضع کرتی ہے۔ زبردستی اُن پر



ہندی زبان کو مسلط کیا جا رہا ہے اور اقلیتی قوموں کے سلسلے میں انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے "بھارت میں آئے دن فسادات کی جو لہر اٹھتی رہتی ہے اس میں ہر سال سینکڑوں بے گناہ افراد مارے جاتے ہیں اور لاکھوں روپے کا اثاثہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے لیکن بھارتی حکومت نے آج تک فسادات کی روک تھام کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔ اور نہ ہی عملی طور پر ایسے حالات پیدا کئے گئے جس سے اقلیتی فرقوں کے افراد سکھ چین کا سانس لے سکیں۔ بھارت میں اقلیتوں کی زبوں حالی، مذہبی، سیاسی اور ثقافتی عدم رواداری کے واقعات کو دیکھتے ہوئے اگر مشرقی پاکستان کے ساتھ بھارت کی ہمدردی کا تجزیہ کیا جائے تو ساری بات صاف اور واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ بھارت کو مشرقی پاکستان کے عوام سے ہمدردی نہیں ہے بلکہ وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر پاکستان کے معاملات میں براہ راست مداخلت کر کے اپنے خواب کو پورا کرنا چاہتی ہے۔

چند سال پیشتر بھارت میں مشرقی پنجاب کو علیحدہ صوبہ بنانے کی تحریک شروع ہوئی تھی جسے بھارتی حکومت نے اپنے پورے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے کچل دیا تھا۔ سکھ فرقے کے کئی رہنماؤں کو جیل میں ڈال دیا گیا، اور بھارتی پولیس نے مشرقی پنجاب کے کئی علاقوں میں احتجاجیوں کے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ کر کے سینکڑوں افراد کو ہلاک کر دیا تھا۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان پر کانگرس حکومت نے زبردستی ہندی زبان مسلط کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے نتیجے میں پورے جنوبی بھارت میں حکومت کے اس اقدام کے خلاف غم و غصے کی لہر پھیل گئی۔ بھارتی پولیس نے عوام کی آواز کو دبانے کے لئے طاقت کا استعمال شروع کیا۔ جگہ جگہ جلسے اور جلوسوں پر فائرنگ کی گئی۔ بھارت کی جیلیں احتجاجیوں اور ہڑتالیوں سے بھر دی گئیں۔ سنگینوں کی نوک پہ انسانی جسم اچھالے گئے اور ہر وہ زبان کاٹ دی گئی جو بغاوت کی زبان بن گئی تھی۔ مغربی بنگال میں موجودہ کانگریس حکومت کے خلاف زبردست نفرت پھیل چکی ہے۔ حکومت پر سے عوام کا اعتماد اُٹھ چکا ہے۔ محب وطن اور انقلابی عوام نے رجعت پسند پالیسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور طاقت کے ذریعہ وہ مغربی بنگال اور پھر پورے بھارت سے کانگرس حکومت کو نکال باہر کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ بھارت میں رونما ہونے والے یہ سارے واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ بھارت کے عوام اور اقلیتی قومیں انتہائی خوف کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ انہیں مذہبی، سیاسی، اور ثقافتی آزادی کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان کی جائز آواز کو ڈنڈے اور سنگینوں سے دبا دیا جاتا ہے۔ ان پر ظلم ڈھایا جاتا ہے۔ انہیں گولیاں ماری جاتی ہیں اور اُن سے جیلیں بھر دی جاتی ہیں۔ مگر پاکستان نے بھارت کے معاملات میں آج تک مداخلت نہیں کی اور نہ ہی نمک مرچ لگا کر جھوٹے پراپیگنڈے کا وطیرہ اپنایا حالانکہ پاکستان کو بھارتی مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنے والی کانگریسی حکومت کے خلاف سخت قدم اُٹھانے کا پورا پورا حق پہنچتا ہے۔

پوری دنیا یہ بات جانتی ہے کہ بھارت جن اصولوں کا سہارا لے کر پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہا ہے وہ خود اپنے اندرونی معاملات میں ان اصولوں پر کس حد تک عمل کرتا ہے۔ کانگریس حکومت پورے بھارت پر زبردستی ہندی زبان مسلط کر رہی ہے۔ مشرقی پنجاب میں علیحدہ صوبہ بنانے کی تحریک کو مسلح طاقت سے کچل دیتی ہے۔

کیرالا اور جنوبی بھارت کے دوسرے علاقوں میں عوامی طاقتوں کو کچلنے اور دبانے کے لئے لاٹھی، گولی اور گیس کے گولوں کا سہارا لیتی ہے۔ مغربی بنگال، ناگا اور میزو قبائل کی عوامی تحریک کو کچلنے کے لئے فوج استعمال کرتی ہے۔ کشمیر کے عوام کو حق خود ارادیت سے محروم رکھنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے کشمیری رہنما شیخ عبداللہ کو گرفتار کرتی ہے۔ محاذ آزادی کشمیر پر پابندی عائد کی جاتی ہے اور جب اس سے بھی بات نہیں بنتی تو کشمیری رہنماؤں کو شہر بدر کر کے انتخابات میں صادق حکومت کو کامیاب کرا کے برسر اقتدار لایا جاتا ہے۔

بھارت اپنے آپ کو عوام دشمن کارروائیوں میں حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کہیں سے کوئی ملک اس پر تنقید کرتا ہے تو واویلا شروع ہو جاتا ہے کہ "کسی کو اس کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں پہنچتا" اسے تو اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ اس پر کوئی تنقید نہ کی جائے، ٹوکا نہ جائے، لیکن اگر پاکستان اپنی علاقائی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لئے کوئی کارروائی کرتا ہے تو اسے اس پر تنقید کرنے کا حق ہی نہیں پہنچتا بلکہ مسلح مداخلت کا جواز بھی مل جاتا ہے۔

باسط عظیم

اے ذوقِ جنوں کچھ تو بتا...

حیران ہوں میں کون ہوں کس دل کا گماں ہوں
میں کوہکنِ وقت ہوں یا تیشۂ جاں ہوں

کھُلتا نہیں فن کیوں نگۂ تیشہ گری کا
حالانکہ میں جس راہ میں ہوں سنگِ گراں ہوں

اک منزلِ بے نام مرے زیرِ قدم ہے
اے ذوقِ جنوں کچھ تو بتا اب میں کہاں ہوں

وحشت کو مری وسعتِ صحرا نہیں بھاتی
یہ منزلِ اعجازِ جنوں ہے میں جہاں ہوں

افکار و تخیل کی بلندی کے سبب میں
پرواز میں ہم مرتبۂ کاہکشاں ہوں

آ دیکھ لے روشن ہے ہر اک راہگذر اب
آ جا کہ جلائے ہوئے میں مشعلِ جاں ہوں

تنویرِ سحر ہے مرے افکار کی تعبیر
تفسیرِ محبت ہوں گلِ تر کی زباں ہوں

مخفی ہوں میں اِک شعلۂ احساس کی مانند
اور صورتِ شبنم میں ہر اک گل پہ عیاں ہوں

بجھنے ہی کو ہے اب یہ چراغِ غمِ ہستی
کچھ دیر میں تم بھی یہ کہو گے کہ دھواں ہوں

باسطؔ یہی کیا کم ہے کہ دنیا کی نظر میں
آوارہ و بدنام ہوں، رسوائے جہاں ہوں

بوڑی

عباس رضوی

چارپائی کی پٹی کے ذریعہ وہ بوڑی کے مردہ جسم کو گھسیٹتا ہُوا گُورے پر چھوڑ آیا۔

بوڑی نے فیاض کے گھر کی چوکھٹ پر تھوتھن رکھی اور ساکت ہو گئی۔

"ماں یا وی" فیاض کے مُنہ سے بے اختیار گالی نکلی۔ اور اُس کی طوطے جیسی آنکھیں مارے غصّے کے گہری سبز ہو گئیں۔

"مجا کتنے چاؤ کے ساتھ بوڑی کو بابا کے گھر سے لایا تھا" بلّو نے سوچا اور اس کی کجروٹے کی طرح بڑی بڑی آنکھیں بھیگ آئیں۔

لیکن فیاض جب بوڑی کو بابا کے گھر سے لایا تھا تو اس وقت وہ ننھی سی پلّی تھی۔ ٹینس کے گیند کی طرح کسی ہُوئی جو اُس کی صُورت دیکھتے ہی اچھلنے کودنے لگتی اور فیاض بھی اس کے ساتھ اُچھلتا کھیلتا رہتا۔

بوڑی ابھی پیدا ہوئی تھی کہ فیاض نے بابا کے گھر کے پھیرے لگانا شروع کر دیئے تھے۔

"رحموں بابا، اب کے مرتبہ تیری کتیا نے پلوں کی وہ جھول نکالی ہے جس کا جواب نہیں" وہ بابا کے مکھن لگاتا۔

"اوں ... ہچ ہچ" وہ بوڑی کو چمکارتا۔

لیکن بابا نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے تھے۔ وہ مکڑے کی طرح دَم سادھے بیٹھا جالے میں پھنسے ہُوئے کیڑے کی پھڑ پھڑاہٹ کا تماشا دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ جالے میں پھنسے ہُوئے کیڑے مکوڑوں پر حملہ اُس وقت کرنا چاہیئے جب وہ پھڑ پھڑا پھڑ پھڑا کر تقریباً ادھ مُوئے ہو گئے ہوں۔ ورنہ اُن کے چھوٹ نکلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ بابا ایک تجربہ کار دکاندار تھا۔ اُس نے اب تک پلے پلیوں کے تقریباً آٹھ جھول بیچے تھے۔ بابا کا ڈبّو بڑا ہی وفادار کتا نکلا تھا وہ گاؤں کے نمبردار کی کوٹھی پر پہرہ دیتا اور اس کی کتیاں آس پاس کے تقریباً سبھی گاؤں میں پہنچ چکی تھیں۔ اور باوفا پلے پلیوں کے جھول نکال رہی تھیں۔

ایک دن لوہا گرم دیکھ کر بابا نے چوٹ لگا ہی دی۔ فیاض آج صبح سویرے بابا کے گھر آن دھمکا تھا۔ اور بڑی دیر سے بیٹھا بابا کی پنڈلیاں دبا رہا تھا۔

"دیکھ بیٹا مجے" بابا نے ناریل گڑگڑانا ترک کرتے ہُوئے فیاض کو مخاطب کیا۔

"بوڑی کے پورے پانچ روپے لوں گا اور وہ بھی تجھ سے۔ نہ ایک پائی کم، نہ ایک پائی زیادہ" بابا نے اپنی پنڈلیوں پر سے فیاض کے ہاتھ ہٹاتے ہُوئے کہا۔

فیاض کے ہاتھ پنڈلیوں سے ہٹ کر سیدھے جیب کی طرف چلے گئے اور اُس نے بغیر کسی مول بھاؤ کے پانچ ٹھنا ٹھن بابا کے ہاتھ پر گن دیئے۔ اس کے بعد وہ سیدھا بازار گیا۔ وہاں سے ایک جھانجھ دار پٹہ خریدا اور اُسے بوڑی کے گلے میں ڈال دیا۔

بوڑی کے ابتدائی ایام بڑے کرب کے ساتھ فیاض کے گھر میں گزرے تھے۔ اسے اپنی ماں کی یاد مسلسل ستاتی ہے۔ بابا یاد آتا، اور پیال کا وہ ڈھیر جس میں وہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ رہتی تھی، وہ مسلسل ٹیاؤں ٹیاؤں کرتی رہتی اور فیاض چھیچھڑے کھلا کر اور دودھ پلا کر اُسے خوش کرتا رہتا۔

"ماں یاد آ رہی ہے۔ ہچ" وہ اُسے چمکارتا

"اچھا چل ماں کے پاس چل" وہ جب تنگ آ جاتا تو اُسے بابا کے گھر لے جاتا۔

لیکن چھیچھڑے کھا کھا کر اور دودھ پی کر بوڑی چند ہفتوں میں فیاض کے گھر سے اسقدر مانوس ہو گئی جیسے وہ یہیں پلی بڑھی ہے۔ اب نہ تو اُسے ماں یاد آتی اور نہ ہی بابا کا خیال آتا۔ وہ بلّو کے لئے وفا کا ایک معیار بن گئی تھی۔

"مجے" بلّو فیاض کو پکارتی۔

"ہاں" فیاض غرّاتا۔

"بابا کے گھر سے چلے گا" وہ خوشامدانہ انداز میں سوال کرتی۔

"کرایہ تیری ماں کا کون یار دے گا" فیاض سلگتی ہوئی لکڑی کی طرح چٹختا۔ "ماں یا وی" وہ اُسے گالی دیتا۔

"روز اٹھ بابا کے گھر، روز اُٹھ بابا کے گھر۔ تجھ سے تو بوڑی اچھی"

لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بلّو بھی بوڑھی جیسی ہو گئی۔ بوڑی گھر کی چوکھٹ سے صرف دو وقت قدم باہر نکالتی ایک تو صبح کے وقت جب فیاض کام پر جا رہا ہوتا۔ وہ فیاض کے ساتھ گلی کے موڑ تک آتی۔ اور اُسے وہاں چھوڑ کر چلی آتی۔ دُوسرے شام کے وقت جب وہ کام سے واپس لوٹ رہا ہوتا۔ گلی کے موڑ پر اُس کی شکل دیکھتے ہی بوڑی تیر کی طرح وہاں پہنچتی۔ اور اُس کے پیچھے پیچھے دم ہلاتی واپس آتی۔

بلّو بھی صرف دو وقت دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہوتی۔ فیاض کام پر جانے کے لئے گھر سے باہر قدم نکالتا تو وہ دروازہ کی اوٹ میں آن کھڑی ہوتی۔ اس کی نگاہیں فیاض کا گلی کے موڑ تک تعاقب کرتیں، اور پھر گھر کی چار دیواری میں مقیّد ہو جاتیں۔ فیاض کے گھر لوٹنے کا وقت ہوتا تو ایک بار پھر وہ دروازہ کی اوٹ میں جا کھڑی ہوتی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوڑی کی اُچھل کود میں بھی کمی آگئی۔ اور بلّو کا بناؤ سنگار بھی ختم ہوتا گیا۔ فیاض کی صُورت دیکھ دیکھ کر بوڑی صرف دم ہلا کر رہ جاتی اور بلّو بڑے سادہ انداز میں فیاض کے پاؤں دبانے بیٹھ جاتی۔

کاتک کا مہینہ آیا اور بوڑی کی چھیمیاں چھوٹنے لگیں، تو گزرے ہُوئے دن ایک بار پھر سے لوٹ آئے۔ فیاض اُسے اکثر چمکارتا۔ اور کھانے کے لئے کبھی کبھی چھیچھڑے یا دودھ بھی چاٹ دیتا۔

"بلّو" وہ بلو کو پیار سے پکارتا۔

"جی" بلو جواب دیتی۔

"تیری چھیمیاں کب پھولیں گی بلّو؟" وہ سرگوشی کے انداز میں پوچھتا۔

"حق" بلو کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ بلّو بوڑی سے کم نہ تھی۔ بوڑی نے بوڑھی ہوتے ہُوتے پلے پلیوں کے آٹھ جھول نکالے تو بلّو نے بھی دس بچّے پیدا کئے۔ فیاض کا بڑا لڑکا حبیب بنک میں سنتری کے فرائض انجام دیتا۔ اس کی چڑھی ہُوئی مونچھیں دیکھ کر اچھے بھلے آدمی کو بھی لمحہ بھر کے لئے محسوس ہوتا جیسے وہ ابھی اُسے گولی مار دے گا۔ اس کا منجھلا لڑکا آدم جی ٹیکسٹائل ملز کا پہریدار تھا۔ اس کی بھینسے کی طرح سخت کھوپڑی دیکھ کر عام آدمی یہ محسوس کرنے لگتا جیسے وہ ابھی اسے ٹکر مار دے گا۔ فیاض اپنے بچوں سے بہت خوش تھا کیوں کہ وہ بڑی باقاعدگی سے مناسب رقم ماہ بہ ماہ اس کو بھیجتے۔ فیاض نے بوڑی کے پلّے اور پلیوں سے بھی اچھے پیسے کمائے تھے۔

لیکن بوڑی جب بوڑھی ہو گئی تو اس میں فیاض کے لئے کوئی کشش باقی نہ رہی۔ وہ اُسے دیکھ کر دم ہلانا چاہتی تو فیاض اس کی ماں بہن ایک کر دیتا۔ وہ دُم ڈھیلی کر کے دُور کھسک جاتی۔ اب اُسے کھانے کے لئے نہ تو چھیچھڑے ملتے اور نہ پینے کو دودھ۔ بس گھر کی بچی کھچی دال روٹی اُس کے ٹھیکرے میں ڈال دی جاتی۔

اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فیاض کو بوڑی کا وجود تک کھٹکنے لگا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ بوڑھی کو کچلا دے دے۔ اور پھر ایک دن اُس نے اپنی خواہش پوری کر لی۔ وہ حکیم اللہ رکھا کے مطب سے تولہ بھر کچلا لایا، اور اُسے چھیچھڑوں میں ڈال کر بوڑی کو دے دیا۔ بوڑی جو عرصہ سے مالک کے پیار سے محروم تھی، اپنے سامنے چھیچھڑے دیکھ کر پھولی نہ سمائی۔ وہ مزے لے لے کر چھیچھڑے کھاتی رہی اور دھیرے دھیرے

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں

نئی آبادی کے ہر ذرے پر مسائل کی چھاپ ہے

کیا ان کے ساتھ گودھرا کیمپ کی تاریخ پھر دہرائی جانے والی ہے؟

نمائندہ الفتح

دن کا وقت تھا، آبادی کے کچھ لوگ اپنی مزدوری پر تھے اور کچھ اپنی خستہ حال جھگیوں میں پیوند کاری کر رہے تھے۔ کچھ پانی کی تلاش میں سرگرداں تھے تو کچھ نے آرام کی ٹھانی تھی۔ اچانک شور سا ہوا اور مسلح افراد کا ایک ٹولہ شکاگو کے کاؤبوائے نبدوقچیوں کی طرح اپنے پستولوں کو ہوا میں لہراتا ہوا بستی میں داخل ہوا۔ بچے بڑے سب سہم کر رہ گئے۔ دن دہاڑے وارد ہونے والے اس ٹولے نے اپنی اپنی پسند کے گھروں میں داخل ہو کر بڑے اطمینان سے لوگوں کو رسیوں میں باندھا۔ ان کا سامان اکٹھا کیا۔ اسباب سفر کی صورت اس کی پیکنگ کی اور اسے لاد کر واپسی کا عزم کیا۔ کچھ جیالوں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو پستولوں کی نالوں سے شعلے نکلنے لگے ہوا میں چاروں طرف بارود کی بو رچ بس گئی اور آنے والے پوری خیر و عافیت کے ساتھ اس بستی والوں کے سامان سمیت جدھر سے آئے تھے ادھر ہی واپس چلے گئے۔

یہ مہم جوئی کی کوئی فرضی داستان نہیں اور نہ کسی جاسوسی ناول کا کوئی باب ہے بلکہ گودھرا کیمپ سے لٹ پٹ کر نئی کراچی کے بازو میں آباد ہونے والوں کے ساتھ پیش آنے والا ایک سچا واقعہ ہے اس کے زخم خوردہ لوگوں کو دن دہاڑے ڈاکہ مارنے والوں سے اتنی شکایت ہے کہ انہوں نے لوٹنے کے لئے کسی متمول بستی کے بجائے ایسی آبادی کا انتخاب کیا جس کے مکینوں کے پاس لٹوانے کے لئے کوئی قابل قدر متاع نہیں ہے۔ یہ لٹنے والے لوگ جو دو سال قبل اس جگہ لا کر آباد کئے گئے تھے اب دو سال بعد بھی اس عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں کہ مسائل کے حل کی بات تو الگ رہی ان کے پاس جو کچھ ہے اس کی حفاظت کرنا ان کے لئے مسئلہ بن گیا ہے۔

گودھرا کیمپ سے پرانے آباد کاروں کو نکال کر ان کی زمینوں پر ٹریکٹر چلوانے کا قصہ ابھی اتنا پرانا نہیں ہوا کہ لوگ بھول جائیں جبکہ اس کے خلاف آواز اٹھانے کی پاداش میں عوامی رہنما جیلوں کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے ہیں۔ جبیل روڈ اور جمشید روڈ کے پیچھے آباد اس بستی کی تجارتی قدر و قیمت تاجروں اور ان کے مفادات کی رکھوالی کرنے والے اداروں کے ایم سی اور کے ڈی اے کے نزدیک بڑھ چکی تھی۔ لہٰذا یہ ادارے اس جگہ کو چند لٹے پٹے لوگوں کی خستہ حال بستی کے بجائے بنگلوں، مارکیٹوں اور میدانوں کا شاداب علاقہ بنانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ ایسے منصوبوں پر ہمیشہ ان ٹریکٹروں کے ذریعہ عملدرآمد ہوتا ہے جو یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے نیچے چٹائیوں اور کچی مٹی کے گارے سے بنے ہوتے گھروں کے ساتھ ساتھ کتنے لوگوں کی آرزوئیں اور امیدیں بھی کچلی جا رہی ہیں۔

اس بستی نے بھی ٹریکٹروں کا یہ ظلم و ستم دیکھا پورے شہر نے اس پر آہ و بکا کی، احتجاج ہوا ایک تحریک اٹھی لیکن نوکر شاہی کے کارندوں کے سامنے کسی کا بس نہ چلا۔ ٹریکٹروں نے اپنا کام مکمل کیا۔ سب کچھ ان کے نیچے تہس نہس ہو گیا۔ معراج محمد خاں جن کی آواز مظلوموں کی حمایت میں ہمیشہ بلند آہنگ رہی ہے۔ گودھرا کیمپ کے مظلوموں کی حمایت کرنے کے جرم میں جیل بھیج دیئے گئے۔ اور بستی کے لوگوں کو ان کا بچا کھچا سامان اور وعدوں کی ایک پوٹلی دے کر میلوں دور نئی کراچی کے پہلو میں اسی اسی گز کے ٹکڑے دے کر بسا دیا گیا۔ اس طرح یہ نئی آبادی نئی کراچی کے وجود کا ایک حصہ بن گئی نئی کراچی کا حصہ ہونے کی حیثیت سے بہت سے مسائل اسے ورثے میں ملے اور کم و بیش اتنے ہی مسائل وہ اپنے ہمراہ لے کر آئی تھی۔ اس طرح اس بستی کے ہر ذرے پر مسائل کی چھاپ لگتی گئی۔ یہ مسائل اب اتنے مستقل ہو گئے ہیں کہ یہاں کے آباد کاروں کیلئے کھانے پینے کی طرح کا ایک معمول بن گئے ہیں۔

گودھرا کیمپ سے اٹھائے جانے والے لوگوں کو نئی کراچی کے باشندوں کی طرح ایک یا ڈیڑھ کمرے کے کوارٹر تک نہیں ملے بلکہ انہیں اسی اسی گز کے جو پلاٹ دیئے گئے تھے ان کی زمین تک ہموار نہیں تھی۔ پھر طرفہ تماشہ یہ کہ دو سال گزرنے کے بعد بھی غیر یقینی کے سائے

> اچانک شور بلند ہوا اور
> مسلح افراد ہوا میں فائر کرتے
> ہوئے نئی آبادی میں گھس آئے

ان پر مسلط ہیں اور آج تک انہیں الاٹمنٹ آرڈر تک نہیں مل سکے ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں کے ایک سماجی کارکن تحسین نے بڑے تلخ لہجے میں بتایا کہ ہمیں جب گودھرا کیمپ سے اٹھایا گیا تھا بڑے سہانے خواب دکھائے گئے تھے۔ وعدوں کا ایک انبار ہمارے ساتھ تھا لیکن ہمارے یہ خواب اب اتنے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ ہم نے ان کی تعبیر دیکھنے کی تمنا تک چھوڑ دی ہے۔

الاٹمنٹ کا مسئلہ

ان پلاٹوں کے جائز الاٹیوں کو الاٹمنٹ کیوں نہیں ملے یہ بھی ایک بڑی تلخ داستان ہے گودھرا کیمپ سے اٹھاتے وقت ان پلاٹوں کی قیمت کی ابتدائی قسطیں جمع کر کے چند نمائندوں کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ یہ نمائندے کے ڈی اے اور یہاں کے باشندوں کے درمیان ایک رابطے کا کام کر رہے تھے۔ لیکن دو سال گزرنے کو آئے ان نام نہاد نمائندوں نے یہ تمام قسطیں کے ڈی اے کے پاس جمع نہیں کرائیں نتیجتاً کے ڈی اے نے الاٹمنٹ جاری نہیں کئے جس کے باعث جائز الاٹی ابھی تک گومگو کے عالم میں ہیں کہ آیا انہیں اس زمین پر حق ملکیت حاصل ہو گیا یا پھر ان کے ساتھ گودھرا کیمپ کی تاریخ دہرائے جانے والی ہے۔

گودھرا کیمپ کے باسیوں میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ابتدائی قسطیں جمع کرنے کے لئے بھی پیسے نہ تھے۔ ایسے لوگوں کی قسطیں ادا کرنے کے لئے متمول افراد نے عطیات جمع کرائے تھے لیکن یہ عطیات بھی انہیں ٹھیکیداروں کے پاس جمع ہوئے تھے۔ لہٰذا عطیات میں ملنے والی ان رقوم کا آج تک کوئی حساب نہیں مل سکا اور بہت سے ایسے افراد جن کی اتنی استطاعت نہیں تھی کہ یہ قسطیں ادا کر سکتے پریشان حال پھرتے رہے۔

یہ پلاٹ الاٹ کرنے والوں نے پیسوں میں خرد برد کرنے کے علاوہ کے ڈی اے سے مل کر اور بھی بڑے گھپلے کئے۔ ان میں سے بیشتر پلاٹ انہوں نے مختلف ناموں سے الاٹ کرا کے اپنے پاس اور بعد میں باہر کے لوگوں کو فروخت کئے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ گودھرا کیمپ سے اٹھ کر آنے والوں کی اس بستی میں گودھرا کیمپ کے اتنے لوگ نہیں ہیں جتنے باہر کے لوگ ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں باہر سے آکر بسنے والے قصوروار نہیں وہ گودھرا کیمپ کے باشندوں کی طرح مسائل کا شکار ہیں اور آباد کاری کے شدید مسئلے سے نمٹنے کے لئے یہاں آکر آباد ہوتے ہیں لیکن اصل مجرم وہ ہیں جنہوں نے نمائندے بن کر کے ڈی اے کی دلالی کی اور اپنے الو سیدھے کئے۔ الاٹمنٹ میں ہونے والے گھپلوں کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف تو گھر کے جوان بیٹوں اور ماں باپ کے نام پر ایک ہی پلاٹ الاٹ ہے جبکہ دوسری طرف چھ چھ مہینے کے بچوں کے نام سے بھی پلاٹ الاٹ کئے ہیں۔ ایک جگہ گدھا

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں



لاؤس — امریکی سامراج کا تازہ قبرستان

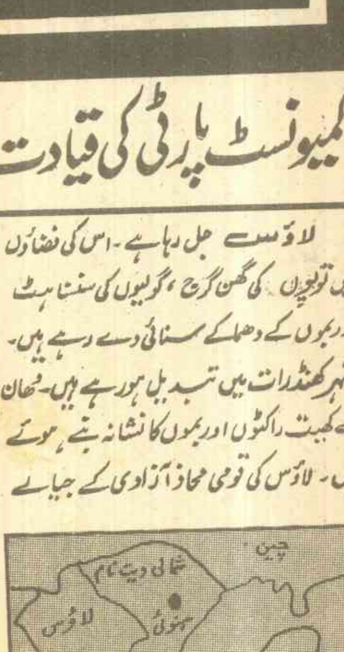
وہاب صدیقی

پیرس - ۱۹ مارچ (رائٹر) لاؤس پر حملہ کرنے والی امریکی اور جنوبی ویت نام کی فوج زبردست جانی و مالی نقصان کے بعد پسپا ہونا شروع ہو گئی ہے۔ یہ انکشاف پیرس کے امن مذاکرات میں شرکت کرنے والے حریت پسندوں کے وفد نے کیا۔ وفد کے ایک رکن نگویان وان تن نے بتایا کہ ایک ماہ قبل کئے جانے والے اس حملے میں دشمن کے ایک ہزار فوجی ہلاک کر دیئے گئے۔ جن میں دو سو امریکی ہوا باز اور فوجی شامل ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مختلف محاذوں پر دشمن کی پانچ بکتر بند گاڑیاں تباہ کر دی گئیں۔ جبکہ بہت سی گاڑیوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ محاذِ جنگ کی اطلاع کے مطابق شمالی ویت نام کی فوجوں اور حریت پسندوں نے گھمسان کی جنگ کے بعد جنوبی ویت نام کے توپ خانے کے اہم اڈہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اڈہ پر فریقین میں چار روز سے زبردست جنگ جاری تھی۔ بی بی سی نے بتایا ہے کہ گھمسان کی جنگ میں جنوبی ویت نام کے سو سے زائد فوجی ہلاک اور چار سو ستر زخمی ہوئے۔ جبکہ جنگ کے بعد اڈہ چھوڑ بھاگ نکلنے والے سینکڑوں فوجی لاپتہ ہیں۔ کھے سان کے نزدیک ایک اور اہم اڈے پر شمالی ویت نام کی فوجوں کے زبردست دباؤ کے باعث جنوبی ویت نامی فوجیں پسپا ہو رہی ہیں۔

دریں اثنا سائیگان میں فوجی ترجمان نے بتایا ہے کہ جنوبی ویت نام کی فوجیں شکست کھا کر پیچھے نہیں ہٹ رہیں۔ بلکہ یہ جنگی حکمتِ عملی کا حصہ ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ لاؤس میں جنوبی ویت نام کی فوجوں نے شمالی ویت نام کے اڈوں کو تباہ کرنے کی کارروائیوں کو بھی ترک کر دیا ہے۔ ترجمان نے بتایا ہے کہ جنوبی ویت نام کی فوجیں اس لئے پسپا ہو رہی ہیں کہ واپس آ کر جنوب کی طرف سے نئی فوجی کارروائیاں شروع کر سکیں۔

کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں مزدور کسان اتحاد ناگزیر ہے

لاؤس جل رہا ہے۔ اس کی فضاؤں میں توپوں کی گھن گرج، گولیوں کی سنسناہٹ اور بموں کے دھماکے سنائی دے رہے ہیں۔ شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ دھان کے کھیت راکٹوں اور بموں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ لاؤس کی قومی محاذ آزادی کے جیالے



مادرِ وطن کی آزادی، فتح — عظیم فتح کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ انقلابی ترانے ان کے لبوں پر ہیں۔ اور وہ مسکرا کر موت کا استقبال کر رہے ہیں۔ پیتھٹ لاؤ کے انقلابی نظریات جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہے ہیں۔ ان کی صدا لاؤس کے عوام میں آزادی اور انقلاب کے ولولے جگا رہی ہے۔ لوگ جوق در جوق قومی محاذ آزادی میں شریک ہو رہے ہیں انقلاب کی روشنی تاریک راہوں کو روشن کر رہی ہے۔ مظلوم عوام صدیوں کے ظلم و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کا بدلہ چکانے کے لئے مسلح ہو کر سامراج اور اس کے حواریوں کا سر کچلنے کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں۔

لاؤس کے قومی محاذ آزادی کی انقلابی جدوجہد کئی برسوں پر محیط ہے۔ اس سے واقف ہونے کے لئے تاریخ کے اوراق پلٹنے ہوں گے۔ کیونکہ

تاریخ نہ صرف واقعات گذشتہ کا عکس ہے بلکہ مستقبل کی راہ عمل متعین کرنے کا واحد ذریعہ بھی ہے۔

لاؤس کی جغرافیائی اہمیت

لاؤس کا رقبہ نوّے ہزار مربع میل اور آبادی ۲۵ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس کی مشرقی سرحد شمالی اور جنوبی ویت نام سے ملتی ہے۔ شمال میں عوامی جمہوریہ چین اور جنوب مغرب میں تھائی لینڈ ہے۔ شارع ہوچی منہہ اس کی مشرقی سرحد کے متوازی واقع ہے۔ یہ سڑک گھنے جنگلوں میں سے گذرتی ہے۔ اور ویت کانگ کی نقل و حمل کے لئے بہت محفوظ ہے۔ اسی کے ذریعے وہ جنوبی ویت نام کی پٹھو حکومت اور امریکی سامراج پر بھرپور ضربیں لگاتے ہیں۔ کمبوڈیا کے حریت پسندوں کو امداد بھی اسی سڑک کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے۔ اس لئے لاؤس کی جغرافیائی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

لاؤس کے عوام کی جدوجہد آزادی

گذشتہ ۲۵ برسوں سے لاؤس کے عوام سامراجیوں اور رجعت پسندوں سے نبرد آزما ہیں۔ فرانسیسی سامراج اور جاپانی توسیع پسندوں کے مکروہ اور غاصبانہ عزائم کو خاک میں ملانے کے بعد اب وہ کاغذی شیر ——— امریکی سامراج کے پرزے اڑا رہے ہیں۔

۱۸۹۳ء میں فرانس نے اسے اپنی نوآبادی بنایا۔ فرانسیسی تسلط کے خلاف کچھ تحریکیں بھی چلیں لیکن ناکام رہیں۔ جنگ عظیم دوم کے آغاز تک فرانس ہند چینی پر حکومت کرتا رہا۔ جنگ عظیم دوم میں فرانس کو یورپی محاذ کے ساتھ ساتھ ہند چینی میں جاپان سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یورپ میں نازی جرمنی کے ہاتھوں شکست کھائی تو ہند چینی جاپان کے لئے خالی کرنا پڑا۔

جب فرانس اور جاپان میں جنگ جاری تھی تو اس وقت لاؤس کے عوام نے اپنی تحریک آگے بڑھائی اور ایک عارضی حکومت قائم کر کے لاؤس کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد فرانس نے امریکہ اور برطانیہ کی حمایت سے دوبارہ لاؤس کے عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کی۔ اس وقت لاؤس کی انقلابی طاقتیں اتنی طاقتور نہیں تھیں کہ وہ سامراجیوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرتیں۔ پھر بھی انھوں نے کچھ دن مزاحمت کی۔ اور پھر انقلابی جنگ کے اڈے دیہاتوں میں قائم کر لئے۔ کیونکہ نوآبادیاتی اور جاگیردارانہ لاؤس کی ۹۰ فی صد آبادی کسانوں پر مشتمل تھی۔ وہ جاگیرداروں، سامراجیوں اور نوکر شاہی کے ظلم اور استحصال کا شکار تھے اور فرانس کے خلاف مزاحمت اور انقلاب کے متمنی تھے۔

اس لئے لاؤس کے محب وطن اور حریت پسند عناصر نے چیئرمین ماؤزے تنگ کی ان ہدایات پر عمل کیا۔ "انقلابیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پس ماندہ دیہات کو اپنے ترقی یافتہ، مضبوط اڈوں کے علاقوں میں تبدیل کر دیں۔ انہیں انقلاب کے عظیم فوجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی قلعے بنا دیں۔ جہاں سے وہ اپنے ناپاک دشمنوں سے نبرد آزما ہوں۔" اور "جب تک ان کی اپنی قوت ناکافی ہے انھیں ایک زبردست دشمن کے ساتھ فیصلہ کن لڑائیوں سے گریز کرنا چاہیئے۔"

لاؤس کے حریت پسندوں نے ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے فرانسیسی سامراج سے چھیڑ خانی جاری رکھی۔ اور کسانوں کو منظم اور متحرک کرنا شروع کر دیا۔ حریت پسندوں نے سب سے پہلے پہاڑی علاقوں میں اپنے اڈے قائم کئے اس کے بعد آہستہ آہستہ میدانی علاقے کا رخ کیا۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے "آزاد لاؤس" کے نام سے ایک متحدہ محاذ بنا لیا اور ایک عارضی حکومت قائم کر کے فرانسیسی نوآبادکاروں کے

جنوبی ویت نام کے قیدی کرنل کے اعترافات

جنوبی لاؤس میں پہاڑی ۵۶۴ پر جنوبی ویت نام کا ۳۱ واں فوجی اڈہ تھا۔ کرنل نیگوین وان تھو کی کمان میں تیسرا چھاتہ بردار بریگیڈ اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ ماہ فروری میں یہاں گھمسان کا رن پڑا۔ ۲۵ فروری ۱۹۷۱ء کو لاؤس کی قومی محاذِ آزادی نے اس اڈے کو فتح کر لیا اور کرنل نیگوین وان تھو اور دوسرے فوجی افسروں کو گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد کرنل تھو نے ایک حلفیہ بیان میں جنوبی ویت نامی فوجیوں کی شکست کا اعتراف کیا۔

کرنل نیگوین وان تھو نے اپنے بیان میں یہ انکشاف کیا کہ "تیسرے چھاتہ بردار بریگیڈ کو میری کمان میں امریکی ہیلی کاپٹروں کے ذریعے پہاڑی ۵۶۴ پر اُتارا گیا۔ ہم نے فوراً پہاڑی پر توپیں نصب کیں۔ مورچے بنائے۔ دوسرے دن ایک امریکی جنرل آیا اور اس نے دفاعی انتظامات کا معائنہ کرنے کے بعد تسلی بخش قرار دیا۔ تین دن خیر و عافیت سے گزر گئے۔ چوتھے دن پیتھٹ لاؤ نے اچانک زبردست گولہ باری شروع کر دی۔ ہم پر چاروں جانب سے گولوں اور بموں کی بارش ہو رہی تھی۔ وائرلیس سے فضائیہ سے مدد طلب کی گئی۔ چند امریکی طیارے آئے۔ لیکن پیتھٹ لاؤ کی طیارہ شکن توپوں نے انھیں مار بھگایا۔ دو طیارے تباہ بھی ہو گئے۔ پیتھٹ لاؤ اتنی شدید گولہ باری کر رہے تھے کہ ہمارے تمام دفاعی انتظامات درہم برہم ہو گئے۔ پہاڑی پر نصب توپیں تباہ ہو گئیں اور ہم مورچوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اگلے دن بھی گولہ باری جاری رہی۔ ادھر ہم ایک اور مصیبت کا شکار ہو گئے۔ راشن کی قلت ہو گئی۔ طے یہ پایا تھا کہ ہر چوتھے دن امریکی ہیلی کاپٹر راشن لے کر آیا کریں گے اور وہی زخمیوں کو لے جایا کریں گے۔ لیکن گولہ باری اتنی شدید تھی کہ امریکی ہوابازوں کو اس طرف رخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اور اگر کسی نے جسارت کی بھی تو وہ ہیلی کاپٹر حریت پسندوں کی توپوں کا نشانہ بن گیا۔ راشن کی کمی کی وجہ سے دن میں صرف ایک وقت کھانا دیا جانے لگا۔ ۲۴ فروری کو ہماری پوزیشن اور بھی نازک ہو گئی۔ بمباری کی وجہ سے وائرلیس اور ٹیلی فون کا رابطہ معطل ہو گیا۔ سائیگان اور امریکی فوجوں سے کسی امداد کی امید بھی جاتی رہی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ہم ہمت ہارے بیٹھے تھے اور پیتھٹ لاؤ کے جیالے تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے تھے۔ ۲۵ فروری کو ایک اور آفت نازل ہوئی۔ دو امریکی ہیلی کاپٹروں نے ہم پر بمباری شروع کر دی۔ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ پناہ کے لئے بھاگا۔ لیکن راستے ہی میں حریت پسندوں نے آ لیا اور ہم نے ہتھیار ڈالنے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔

نیگوین وان تھو نے بتایا کہ "میں پہلے بھی کھے سان کے اڈے پر حریت پسندوں سے مقابلہ کر چکا ہوں۔ اس اڈے پر جدید ترین اسلحہ سے لیس امریکی میرین کے دستے موجود تھے۔ لیکن انھیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کھے سان کی لڑائی میں صرف پہلے چار دنوں میں میرا بریگیڈ کے تین سو سپاہی ہلاک ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس بے ثمر اور فضول جنگ میں لڑنا نہیں چاہتا۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری حکومت امریکی سامراج کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔ سائیگان کا اصلی حکمران امریکہ ہے۔ وہی فیصلے ہوتے ہیں جو امریکہ چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھے سان کی لڑائی میں میرے سپاہی بغیر نشانہ لئے ۱۷۵ ایم ایم کی توپوں سے فائر کرتے رہے۔"

جب پیتھٹ لاؤ نے کرنل نیگوین وان تھو کو برطانوی خبر رساں ایجنسی رائٹر کی یہ خبر دکھائی کہ "تیسرے چھاتہ بردار بریگیڈ کا کمانڈر زندہ سلامت اپنے سپاہیوں کے ساتھ ڈونگ ہو کی چوکی پر واپس آ گیا ہے۔" تو نیگوین وان تھو حواس باختہ ہو گئے۔ اس نے کہا "یہ خبر میرے متعلق نہیں ہے۔۔۔۔" پھر اس نے کہا "یہ خبر میرے ہی بارے میں ہے۔ سامراجی پریس سے جھوٹ کے علاوہ اور کس چیز کی توقع کی جا سکتی ہے؟"



فتح پتھیٹ لاؤ کے قدم چوم رہی ہے

خلاف مسلح جنگ شروع کر دی۔ نو سال تک لاؤس کے عوام فرانسیسی سامراج سے لڑتے رہے ویت نامی اور کمبوڈی عوام بھی نبرد آزما تھے۔ آخر ۱۹۵۴ء میں ویت نامیوں نے ڈین بن پھو کے مقام پر فرانس کو فیصلہ کن شکست دے کر اُسے ہند چینی سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ جولائی ۱۹۵۴ء میں معاہدہ جنیوا ہوا جس میں ویت نام، کمبوڈیا اور لاؤس کی آزادی، خود مختاری اور علاقائی سالمیت کی ضمانت دی گئی۔ لیکن اس وقت تک لاؤس کے انقلابی دو صوبوں کو آزاد کرا کر قانونی طور پر آزاد اور خود مختار ہو چکے تھے۔

فرانسیسی تسلط کے خاتمے کے بعد ہند چینی پر سامراجی کنٹرول کو برقرار رکھنے، عوامی جمہوریہ چین اور شمالی ویت نام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو روکنے کے لئے امریکی سامراج نے ہند چینی میں مداخلت شروع کر دی۔ اور لاؤس کو اپنی جدید طرز کی نوآبادی اور فوجی اڈہ بنانے کی کوششیں کیں۔ لیکن لاؤس کے انقلابیوں نے سخت مزاحمت کی۔ لاؤس کی انقلابی پارٹی نے اپنے پروگرام کو حالات سے ہم آہنگ کرتے ہوئے قومی آزادی، جمہوریت کا نعرہ لگایا اور لاؤس کا محب وطن محاذ بنا کر امریکی سامراج سے جنگ مزاحمت شروع کر دی۔ اور عوام سے اپیل کی کہ وہ لاؤس کی آزادی، غیر جانبداری جمہوریت اور خوشحالی کے لئے انقلابی حکومت کا ساتھ دیں۔ اور امریکی سامراج کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ لیکن لاؤس کے رجعت پسندوں اور شہزادہ پونی ردم نے سامراج کا ساتھ دیا۔ اور اس کے اشارے پر حریت پسند اور محب وطن عناصر کو جیل میں بھر دیا۔ انتخابات کروانے سے انکار کر دیا۔ اور انقلابی جدوجہد کو سختی سے دبانے کی کوشش کی۔ لیکن منہ کی کھانی پڑی۔ بہت سے سرکاری فوجی حریت پسندوں سے مل گئے۔ اور انھوں نے اپنے رہنماؤں کو آزاد کر لیا۔ انقلابی پارٹی کی قیادت میں مسلح جدوجہد جاری رہی اور انقلابیوں نے لاؤس کا دو تہائی حصہ آزاد کرا لیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے امریکہ نے جولائی ۱۹۶۲ء میں جنیوا میں ایک اور کانفرنس بلوائی۔ جس میں چودہ ممالک نے شرکت کی۔ کانفرنس میں لاؤس کی آزادی، خود مختاری اور غیر جانبداری کو تسلیم کیا گیا اور بیرونی مداخلت کی مخالفت کی گئی۔

لیکن امریکی سامراج نے پھر بھی شکست تسلیم نہیں کی۔ ۱۹۶۲ء کے معاہدہ جنیوا کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ اور لاؤس میں جارحانہ کارروائیاں جاری رکھیں۔ اور اب "نکسن کی نئی حکمت عملی" کے مطابق وہ جنوبی ویت نام کی بجائے لاؤس کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے جارحانہ اقدامات تیز تر کر دیئے ہیں۔

امریکی سامراج اور جنوبی ویت نامی فوج کے نقصانات

۱۹۶۷ء میں دشمن کا نقصان

- سولہ ہزار سپاہی، ہلاک و زخمی کئے گئے۔
- ۲۸۷ ہوائی جہاز گرائے گئے
- ۸۲ جنگی کشتیاں اور لانچیں غرق کر دی گئیں۔
- ۲۴۸۔ فوجی گاڑیاں تباہ کر دی گئیں
- چار ہزار ٹن گولہ اور بارود نذر آتش کر دیا گیا۔
- ۲۵۰۰ مختلف نوعیت کے ہتھیار دشمن سے چھین لئے گئے۔

۱۹۷۰ء کے نقصانات

- سپاہی — بیس ہزار
- طیارے — ۳۱۱
- فوجی گاڑیاں — ۴۳۱
- جنگی کشتیاں — ۱۰۲
- گولہ بارود — ۷،۵۰۰ ٹن
- ہتھیار — ۵۴۰۰

۸ فروری سے ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کے نقصانات

- ۱۵،۴۰۰ سپاہی ہلاک و زخمی
- ۱،۰۰۰ سپاہی گرفتار کر لئے گئے (جن میں سینکڑوں اعلیٰ فوجی افسر شامل ہیں)
- ۴۹۶ طیارے مار گرائے
- ۵۸۶ فوجی گاڑیاں تباہ کر دی گئیں
- ۱۴۴ توپیں ناکارہ کر دی گئیں

پتھیٹ لاؤ کی کامیابی کے اسباب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاشی اور ثقافتی لحاظ سے پسماندہ یہ چھوٹا سا ملک دنیا کی سب سے بڑی اور خونخوار سامراجی طاقت کو کس طرح شکست پہ شکست دے رہا ہے۔ لاؤس کی قومی محاذ آزادی کی کامیابی کے اسباب یہ ہیں۔

- لاؤس کے انقلاب کی قیادت ایک ایماندار اور مخلص انقلابی پارٹی کر رہی ہے۔ جس کو مزدوروں، کسانوں، طلبہ اور عوام کے مفادات سب سے عزیز ہیں
- لاؤس کے مزدوروں اور کسانوں نے دوسرے طبقوں سے مل کر متحدہ محاذ بنا لیا ہے۔ جس کی قیادت کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ میں ہے۔
- بین الاقوامی اور ہند چینی کے حالات لاؤس کے انقلاب کے حق میں ہیں خاص طور پر جبکہ ویت نام اور کمبوڈیا کے عوام بھی ایک مشترکہ دشمن سے نبرد آزما ہیں۔
- لاؤس کے عوام کی انقلابی جدوجہد نہ صرف ہند چینی کے انقلاب بلکہ عالمی انقلاب کا ایک حصہ ہے۔ ایسا عالمی انقلاب جس سے وہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ جس میں ہر انسان دوسروں کے لئے ستارے کی مانند ہوگا۔ زندگی انسان کی عظیم خدمت میں تبدیل ہو جائے گی اور لوگ سچائی خوبصورتی اور آزادی کے لئے زندہ رہیں گے۔

انقلابی جدوجہد کے تجربات

لاؤس کے عوام گذشتہ ۲۵ سال سے مسلح جدوجہد میں مصروف ہیں اس طویل جدوجہد میں جہاں انہوں نے بے شمار مصائب کا سامنا کیا ہے وہاں انھیں ایسے تجربات بھی حاصل ہوئے ہیں جو نہ صرف ان کے لئے بلکہ دنیا کے تمام انقلابیوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔

فرانسیسی دور حکومت میں بہت سی تحریکیں چلیں عوام نے نہایت بہادری اور دلیری سے ان تحریکوں میں حصہ لیا۔ قیادت کے اشاروں پر اپنی جانوں کو نچھاور کیا۔ فرانسیسی حکومت کو زبردست نقصانات پہنچائے۔ لیکن یہ تحریکیں فتح سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ اور گمنامی کے پردے میں چلی گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان تحریکوں کی قیادت قبائلی سرداروں، جاگیرداروں کے پاس تھی۔ وہ اگرچہ بیرونی حکمرانوں کے مخالف تھے۔ مگر وہ لاؤس کے عوام کے ترجمان نہیں تھے اور نہ ہی انھیں عوام کے مفادات عزیز تھے اس لئے وہ ایسی سیاسی راہ عمل اختیار نہیں کر سکے جو عوام میں آزادی کی جوت جگاتی ہے۔ ۱۹۳۰ء۔ ۱۹۴۰ء کے دوران شہری چھوٹے سرمایہ داروں کی قیادت میں "لاؤ بن لاؤ" (لاؤس، لاؤسی عوام کا ہے) اور "لاؤ سری" (آزاد لاؤس) کا نعرہ لگا کر آزادی وطن کی تحریکات شروع کیں۔ ہند چینی کی کمیونسٹ پارٹی کی امداد اور تعاون کی وجہ سے کئی صوبوں میں یہ تحریکیں بہت کامیاب رہیں اور ۱۹۴۵ء کے عوامی اُبھار میں مؤثر کردار ادا کیا۔ لیکن قیادت پر چھوٹے سرمایہ داروں کی گرفت ہونے کی وجہ سے یہ تحریکیں خود کو وقت کے تقاضوں اور معاشرتی تبدیلیوں سے ہم آہنگ نہ کر سکیں اور فرانس کے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی راہ پر چلے گئے اور اقتدار کی لالچ میں عوامی مفادات کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن ہند چینی کی کمیونسٹ پارٹی اس موقع پر بھی عوامی مفادات کا تحفظ کرتی رہی۔ اور اس نے عوامی جدوجہد کو صحیح راہ پر ڈالا۔

لاؤس کے معاشرہ میں دو بنیادی تضادات ہیں۔ پہلا تضاد لاؤ قوم اور امریکی سامراج اور اس کے حواریوں کے درمیان ہے۔ اور دوسرا لاؤ پرولتاریہ اور لاؤ گماشتہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی کے درمیان ہے۔ چنانچہ لاؤس کے انقلاب کے دو فرائض ہیں۔ قومی اور جمہوری۔ لیکن پہلا کام اپنے ملک کو سامراج اور اس کے حواریوں کی گرفت سے آزاد کرانا ہے۔ کسانوں کو جاگیرداروں سے آزاد کرانے کے لئے قومی جمہوری انقلاب بہت ضروری ہے۔ اور اس مقصد کے لئے کمیونسٹ پارٹی کی قیادت میں مزدور کسان اتحاد ناگزیر ہے۔ گذشتہ ۲۵ برسوں سے کمیونسٹ پارٹی اس اتحاد کے

باقی صفحہ ۲۶ پر ملاحظہ فرمایئے

ظلم وتشدد کی کہانیاں

مغربی جرمنی میں

۴۰ ہزار ترک باشندوں کو غلام بنا لیا گیا



جاگیرداروں نے محنت کشوں کو اسمگل کیا

نعیم آروی

مغربی جرمنی میں آج بھی غلاموں کا کاروبار ہوتا ہے۔ ۴۰ ہزار ترک باشندوں کو غلام بنا کر اُن سے جبری محنت لی جاتی ہے انھیں انتہائی غلیظ ماحول میں رکھا جاتا ہے اور اُن سے انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔ اسمگل کئے ہوئے ترک محنت کشوں کو غیر انسانی حالات میں دیکھنے سے قبل کوئی شخص اس بات کا تصوّر نہیں کر سکتا کہ بیسویں صدی میں انسانیت کی اس قدر تذلیل بھی کی جا سکتی ہے لیکن یہ فی الواقعہ ایک حقیقت ہے۔

زمانہ قدیم میں کبھی انسان بھیڑ بکریوں کی طرح غلام بنا کر بڑی بڑی منڈیوں میں فروخت کئے جاتے تھے۔ تاجر غلاموں کے جسم کی بناوٹ، دانت، ہاتھ، پیر اور کٹے مُٹلے کو پرکھنے کے بعد "بولی" لگاتے تھے۔ بازار کے چوراہے پر بکنے والا غلام سب سے زیادہ بولی لگانے والے کے حصّے میں آتا تھا۔ خریدار غلام کے گلے میں پٹہ یا رسی ڈال کر اپنے ساتھ گھر لے جاتا تھا، اور اُس کے بعد غلام کی پُوری زندگی آقا کی مرضی و منشا کے مطابق گزرتی تھی۔ حکم عدولی کی سزا موت تھی، جس کی توثیق عدالت بھی آنکھ بند کر کے کرتی تھی۔

کبھی غلام انسانوں کی تجارت ایک منافع بخش کاروبار تھا۔ لیکن تہذیب و تمدّن کی ترقی کے ساتھ انسانیت کو ذلیل و رسوا کرنے کی یہ روایت بتدریج ختم ہوتی گئی، لیکن امریکی سامراج کے طاقتور ہوتے ہی اس مُردہ روایت میں پھر سے روح پھونکی گئی۔ انسانوں کی محنت کا استحصال کرنے کے علاوہ انسان کو غلام بنا کر بازاروں میں فروخت کرنے کا کاروبار دوبارہ گرم کر دیا گیا۔ بدنیت سامراج مظلوم انسانوں کے خون اور ہڈیوں پر اپنی امارت کا محل کھڑا کرتا ہے۔ اس لئے اُس کے نزدیک انسان کو غلام بنا کر منڈیوں میں فروخت کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ امریکی سامراج کی دیکھا دیکھی اس کے زیرِ اثر پٹھو ملکوں میں بھی انسان کو غلام بنانے اور انسانیت کو شرمسار کرنے کی روایت عام ہے

ابھی حال ہی میں مغربی جرمنی کے پریس نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ تقریباً چالیس ہزار ترک محنت کشوں کو غیر قانونی طریقے سے مغربی جرمنی پہنچا دیا گیا۔ ملک کی خوشحالی میں اضافہ کرنے کے لئے اُن سے جبری محنت لی جاتی ہے مگر انھیں بنیادی سہولتیں بھی نہیں دی جاتیں۔ ان کی حالت غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ ان میں سے زیادہ تر افراد انتہائی معصوم اور ناخواندہ ہیں۔ وہ اپنے حقوق کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ انھیں لاعلمی کی گہری تاریکی میں رکھا گیا ہے اور اُن کی محنت کو انتہائی وحشیانہ طریقے سے استحصال کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے بھرتی کے دن خفیہ ایجنٹوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو ترک محنت کشوں کو سبز باغ دکھاتے ہیں۔ اور انھیں ایک ایسے ملک میں، جہاں "دودھ اور شہد" کی نہریں جاری ہیں پہنچانے کا وعدہ کر کے ان کی جائداد کو معمولی قیمت میں خرید لیتے ہیں

ترک محنت کش اپنا سب کچھ لٹا کر جب اس دیس میں پہنچتا ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں تو اُسے دودھ اور شہد میں غوطہ دینے کے بجائے اس کے ہاتھ میں کدال اور ہتھوڑا پکڑا کر انتہائی مشکل اور دقت طلب کاموں میں لگا دیا جاتا ہے۔ وہ اس ملک میں بہت دنوں تک اپنے خواب کو تلاش کرتا ہے۔ اپنے سہانے اور رنگین سپنوں کو سینے میں تھپک تھپک کر ایک موہوم سی امید پر زندہ رکھتا ہے مگر آخر میں اُس کے سہانے خواب بکھر جاتے ہیں۔ رنگین سپنوں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جاتی ہیں اور اسے ہر طرف سامراج کے بھتنے ناچتے، قہقہے لگاتے اور اپنے ہاتھوں میں چابک لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ "کام کرو، کام کرو،" ایک لمحہ رُکے بغیر اپنا کام جاری رکھو"

مغربی جرمنی کے پریس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ترک محنت کشوں سے انتہائی مشکل اور کٹھن اور غلیظ کام لیا جاتا ہے۔ انھیں بہت کم اُجرت دی جاتی ہے۔ اکثر وہ فاقے سے مر جاتے ہیں۔ اُن کے آقا اُنھیں ہر قسم کی رعائتوں سے محروم رکھ کر بے حساب دولت جمع کر رہے ہیں۔ پیشہ ورانہ کام کرنے والے ترک محنت کشوں کو کسی قسم کی سہولت حاصل نہیں۔ اور نہ ہی اُنھیں ترقی کے مواقع دیئے جاتے ہیں۔

ترک محنت کشوں کو انتہائی بے شرمی اور ڈھٹائی سے استحصال کرنے والوں میں دُوسرا نمبر جاگیرداروں کا آتا ہے۔ انھیں بے وطن اور دربدر کرنے کے بعد دوسروں کے رحم و کرم پر زندہ رکھا جاتا ہے۔ ان سے عزت کی زندگی چھین لی جاتی ہے اور اُنھیں چھوٹے چھوٹے کمروں والے تنگ مکانوں میں رکھا جاتا ہے۔

فرنکیفرٹ کے ایک علاقے میں ایک تنگ کمرے میں بیک وقت آٹھ افراد گزارہ کرتے ہیں ایک غسلخانہ ۳۵ افراد کے استعمال میں آتا ہے۔

ایک مدّت تک مغربی جرمنی کے حکام نے اس غیر انسانی کاروبار کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھیں۔ لیکن جب مغربی جرمنی کے آزاد پریس نے شور مچا مچا کر اُن کی زندگی حرام کر دی تو مجبوراً اُنھیں اس جانب توجہ کرنی پڑی۔ پولیس نے ترک محنت کشوں کو برآمد کرنے کے لئے کارروائی شروع کی۔ جگہ جگہ چھاپے مارے گئے۔ اس طرح ترک شہریوں کی ایک بڑی تعداد کو ڈھونڈ نکالنے کے بعد بالآخر ترکی روانہ کر دیا گیا۔

ترک محنت کش کئی سال بیگار کھٹنے کے بعد جب واپس اپنے وطن پہنچے تو ان کا خواب پھر بھی ادھورا رہا۔ ترکی میں پہلے ہی بے روزگاروں کی ایک بڑی تعداد تلاش روزگار میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ بھلا اُن کے لئے نانِ جویں کا بندوبست کہاں سے ہوتا۔ دیارِ غیر میں بے توقیری اور دربدری تو قابلِ برداشت تھی مگر اپنے وطن میں یہ دُکھ سوا ہو گیا۔



قارئین کہتے ہیں

ارے کمبختو!

خاموش ہو جاؤ ورنہ بھارتی ریڈیو اسے بھی نشر کر دے گا

کل مجھے بس کے ذریعہ ملیر کالونی جانا ہوا، ہماری بس جب نرسری اسٹاپ سے روانہ ہوئی تو دو مسافر کسی بات پر آپس میں الجھ پڑے، کئی لوگوں نے بیچ بچاؤ کیا، مگر دونوں کی زبانیں قینچی کی طرح چلتی رہیں، ہاتھا پائی تک نوبت تو نہ پہنچی، مگر دونوں کی بک بک جھک جھک سے بس کے سارے مسافر تنگ آ گئے، ایک بڑے میاں سے ضبط نہ ہو سکا تو جھنجھلا کر بولے۔

"ارے کمبختو اب تو خاموش ہو جاؤ" کہیں بھارتی ریڈیو اسے بھی نشر نہ کر دے"۔

شبیہہ الحسن۔ ماڈل کالونی کراچی

یہاں کے لوگ جانکنی کے عالم میں ہیں

الفتح کے تازہ شمارے میں کراچی کی ایک بدقسمت بستی "نئی کراچی" کے متعلق تازہ ترین رپورٹ پڑھی، کیا یہ وہی بستی نہیں، جس کا ذکر یونان کی دیو مالائی کہانیوں میں ملتا ہے کہ "خداوند خدا اذلیش" جس مخلوق سے ناراض ہوتا تھا اسے اس "قہر کی بستی" میں قید کر دیا کرتا تھا اور اس پر طرح طرح کے عذاب نازل کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ مخلوق نہ جیتی تھی اور نہ مرتی تھی اور جانکنی کے عالم میں ہمہ وقت مبتلا رہتی تھی۔

بڑا دکھ ہوا، یہ جان کر کہ ۳۰ لاکھ کی آبادی میں ایک بھی سرکاری اسکول، سرکاری شفاخانہ نہیں، اور مزدوروں کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے ہاتھوں میں ٹفن کیریر پکڑے ہوئے منگھوپیر روڈ کے کارخانوں اور ملوں میں کام کرنے جاتے ہیں، پانی نہیں ملتا، دن دہاڑے چوری ہوتی ہے، بسوں کے فٹ بورڈ سے لٹکے ہوئے مسافر اپنی جان سے گزر جاتے ہیں، اور طرح طرح کے مصائب، مشکلات اور پریشانیاں نئی کراچی کی مخلوق کے جسم سے چمٹی ہوئی ان کا خون چوس رہی ہیں۔

خدا اس عذاب سے ہر شہری کو محفوظ رکھے۔

الفتح کا ایک قاری

عزیز الحسن۔ راولپنڈی۔

یہ بے انصافی کب ختم ہو گی؟

اس وقت ہمارا ملک انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت کا پورا پورا ساتھ دیں، اور بھارت کے گھناؤنے منصوبے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ ملک کی سلامتی اور یکجہتی پر جب بھی خطرہ منڈلایا، پاکستان کے عوام نے دل و جان سے حکومتِ وقت کا ساتھ دیا۔

مجھے نہایت دکھ اور افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اس نازک وقت میں بعض لوگوں کا رویہ عوام کے ساتھ بالکل غیروں جیسا ہوتا ہے، ایسے لوگ اپنے آپ کو حاکم اور عوام کو محکوم سمجھتے ہیں حالانکہ موجودہ حکومت نے ہر نازک مرحلے پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ عوام کے دکھ درد کا علاج کرنے آئی ہے۔

۱۵ اپریل ۱۹۷۱ء کو میں اپنے ایک دوست کی گاڑی میں کونٹنر روڈ سے گزر رہا تھا، مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ اس روڈ پر گشتی عدالت قائم کی گئی ہے۔ اور گاڑیوں کی رفتار کی چیکنگ ہو رہی ہے۔ میری گاڑی ۳۰ کی رفتار سے جا رہی تھی۔ مگر ہماری گاڑی کو روکا گیا اور کہا گیا کہ "تم لوگ ۴۰ کی رفتار سے جا رہے تھے"۔ ٹریفک پولیس کو بہت سمجھایا کہ ہماری گاڑی ۳۰ کی رفتار سے جا رہی تھی اور ہم نے ٹریفک کی خلاف ورزی نہیں کی ہے"۔ مگر ہماری بات نہ سنی گئی اور سو روپے جرمانہ کر دیا گیا، اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت ہمارے پاس سو روپے نہ تھے۔ چنانچہ ہمیں وہیں روک لیا گیا۔ میں وائرلیس کے پاس کھڑا تھا، آگے سے پیغام آیا کہ فلاں نمبر کی گاڑی ۴۳ کی اسپیڈ سے آ رہی ہے۔ مگر پیغام وصول کرنے والے نے ۴۳ کی بجائے ۴۴ نوٹ کیا اور جب وہ ٹیکسی قریب پہنچی تو ٹیکسی والے کا چالان کر دیا گیا۔ اس نے ٹریفک انسپکٹر کو بہت سمجھایا مگر اسے جواب دیا گیا" "بکواس بند کرو اور چپ ہو جاؤ"۔

ایسے نازک دور میں جب کہ عوام اور انتظامیہ کے درمیان یگانگت اور تعاون کا جذبہ فروغ دیا جانا چاہیئے۔ بعض کوتاہ اندیش افراد اپنی بیجا حرکتوں سے اس مقصد کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔

طارق۔ کراچی

اس کالونی کے مسائل توجہ طلب ہیں

محمود آباد کے آخری روبس اسٹاپوں کے جنوب میں ملیر ندی کے پار تین کالونیاں واقع ہیں۔ جن کے نام ہل ٹاؤن، رحمان کالونی اور منظور کالونی ہیں۔ اس بستی کی آبادی ۲۵ ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ جہاں کے مسائل چپہ چپہ پر عیاں ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ جو منظور کالونی سے وابستہ ہے۔ علاقہ میں پانی کی سپلائی کا ناقص انتظام ہے۔ اب جبکہ موسم گرما شروع ہوا ہے۔ یہاں کے عوام کو پانی کے لئے ابھی سے تکالیف اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ ایک مشک پانی کے لئے ایک روپیہ دینا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے دوسرے مسائل بھی ایسے ہی ہیں جو خود اپنی زبان سے کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم "مسائل" ہیں ہماری طرف بھی توجہ کیجئے۔

علاقے کے باشندوں نے کئی بار حکام بالا سے رجوع کیا۔ مگر انھیں ہمیشہ ٹال دیا گیا۔ سابق ڈپٹی کمشنر مسٹر خالد محمود کے زمانے میں ۷۵۰۰۰ روپے، ملیر ندی کے پل کی تعمیر کے لئے منظور کئے گئے تھے مگر ان کے تبادلے کے ساتھ ہی منظور شدہ رقم کا کچھ پتہ نہ چلا۔ مگر اب پتہ چلا کہ ایک لاکھ دس ہزار چھ سو پچھتر روپے پانی کی سپلائی کے لئے منظور کئے گئے ہیں۔ تعلیمی سہولت کچھ میسر نہیں۔ اگر کوئی بیمار پڑتا ہے تو ٹیکسی وغیرہ میسر نہیں۔ اور مجبوراً مریضوں کو گدھا گاڑی پر لاد کر ہسپتال یا ڈاکٹر تک لیجانا پڑتا ہے۔ یہاں کے عوام مطالبہ کرتے ہیں کہ

(۱) منظور کالونی، ہل ٹاؤن اور رحمان کالونی کو فوری طور پر بلدیہ کی تحویل میں دیا جائے۔

(۲) پانی کی سپلائی کا فوری طور پر بندوبست کیا جائے۔

(۳) جب تک پائپ لائن سے پانی سپلائی نہیں ہوتا۔ ٹینکیوں کے ذریعے پانی سپلائی کیا جائے۔

(۴) علاقے کو فوری طور پر لیز کیا جائے۔

صوفی محمد امین شہابی کراچی۔

آئینہ کیوں نہ دوں

"۷ دسمبر عوام نے ٹھکرا دیا" ۲۶ مارچ تاریخ نے مسترد کر دیا" کے عنوان سے الفتح رپورٹ" در اصل وہ آئینہ ہے جس میں ہمارے بعض رہنماؤں کے اصلی چہرے صاف صاف نظر آتے ہیں، عجیب بات ہے کہ جب تک کوئی اس قسم کا آئینہ دکھا کر ان چہروں سے نقاب نہ الٹے پتہ نہیں چلتا کہ نقاب کے پیچھے چھپے ہوئے چہروں پر ہمارے لئے محبت کی مٹھاس ہے یا نفرت کی کڑواہٹ۔

آپ سے گزارش ہے کہ گاہے گاہے ایسے آئینے دکھاتے رہیئے۔ تاکہ ہم اچھے اور برے چہروں میں تمیز کرنے کا سلیقہ سیکھ لیں۔ (اقبال احمد لاہور)

بلدیہ کورنگی لانڈھی کی بدعنوانیاں

گزشتہ شماروں میں کورنگی لانڈھی پرنچ اور عوامی نمائندوں کی بدعنوانیوں کا حال پڑھا۔ گو یہ سب باتیں نئی نہیں ہیں۔ عوامی نمائندگی کے نام پر منتخب ہونے والوں نے نوکر شاہی کے ساتھ مل کر جو کچھ کیا ہے وہ اب ایک کھلی کتاب کی طرح

ہے۔ لیکن بدعنوانیوں کا احتساب کرنے والی مشینری کی عدم موجودگی اور کمزوری نے ان کو کھیل کھیلنے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ اس وقت کورنگی

لانڈھی بلدیہ میں ایک دو کو چھوڑ کر تقریباً تمام کونسلر حضرات ٹھیکہ داروں سے کھلم کھلا اپنے حصہ طے کرنے میں مصروف ہیں۔ حال ہی میں بعض بورڈیں کمیٹیوں میں نئے ٹھیکے نکلے ہیں جن کی منظوری چیئرمین حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ اپنے اس اختیار سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

آپ کے بنیجر میں بلدیہ کی چونگی کا کوئی احوال درج نہیں ہے۔ حالانکہ یہاں سے باقاعدہ بلدیہ کے بڑے بڑے افسروں کے بھتے بندھے ہوئے ہیں۔ مختلف ملوں کے مالکان اپنا مال پاس کراتے اور ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ بلکہ ٹیکس کی رقم کا ایک حصہ چونگی پر متعین افسروں کو ادا کرتے ہیں۔ اگر تحقیقات کی جائے تو ہزاروں لاکھوں کے ہیر پھیر کا حساب مل سکتا ہے۔ اسکولوں کا بھی یہی عالم ہے۔ حال ہی میں بلدیہ کے ایک بڑے افسر نے جو شعبہ تعلیم کے نگراں بھی ہیں ایک اسکول کی استانی کے ساتھ کوئی بدتمیزی بھی کی تھی جس پر ان کے خلاف تحقیقات جاری ہے۔ یہ تمام صورت حال تفصیلی جائزے کی متقاضی ہے۔ ان بدعنوانیوں پر تفصیل سے ابھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ بدعنوان افسروں اور عوامی نمائندوں کو کسی طرف سے تو احتساب کا ڈر لگا رہے۔ (محمد نعیم۔ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی)

تم بھارتی بھونپو کو بھی مات کئے دے رہے ہو

صفحہ ۴ سے آگے

انھیں یہ یقین دہانی اس لئے کرانی پڑی کہ کہیں انھیں بھی نہ دھر لیا جائے۔ انھیں بھی کہیں بھارتی تخریب کاروں سے نمٹنے کے لئے توپ سے نہ باندھ دیا جائے۔

"یہ مصلحت پسند" یہ شاطر، یہ حیلہ جُو، یہ عیّار مجیبئے ننگے ہو چکے ہیں۔ اس لئے جھنجھلا کر اِدھر اُدھر منہ مار رہے ہیں۔ آواز سنائی دیتی ہے۔

"ایسی سیاسی جماعتوں پر بھی پابندی لگائی جائے جنھوں نے اسلامی نظریئے کی مخالفت کی ہے۔ یا کسی دینی یا اسلام دشمن نظریہ کو پیش کیا ہے۔"

ایک اور دین فروش کی آواز آتی ہے:۔

"ان حالات میں مغربی پاکستان کی کسی پارٹی کو شریک اقتدار کرنا مشرقی پاکستان کے عوام کے دلوں میں ایسے شکوک و شبہات پیدا کر دے گا جن کا ازالہ قریب قریب ناممکن ہو گا۔"

تم جو جداگانہ طریق انتخاب اور مشرقی پاکستان کو مزید حصوں میں تقسیم کرنے کی شرانگیز تجویزیں پیش کرتے ہو تو ان سے مشرقی پاکستان والوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا نہیں ہوتے؟

ایک غدار باپ کا بیٹا کہتا ہے "حُبّ وطن پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔" بالکل ٹھیک ہے پھر تو تمھاری اجارہ داری بھی نہیں چلے گی۔ ان کی بھی نہیں چلے گی جو سیاسی گفت و شنید کے بہانے ڈھاکہ جاتے رہے۔ اور وہاں سے پلان لا لا کر مغربی پاکستان میں بیچتے رہے۔ جو لندن اور روم میں بیٹھ کر پلان بناتے رہے جو عمرہ کرنے کے بہانے جدہ گئے اور وہاں سے سیدھے دہلی جا کر پرا جمان ہو گئے۔ اور اب تک وہیں ڈٹے ہوتے ہیں۔ اندرا گاندھی کے یہ پاکستانی بھائی سندھ کے بہت بڑے گرگِ سیاست ہیں۔ الیکشن میں ان کا دھڑن تختہ ہو گیا تھا تو مجیب سے ملنے ڈھاکے بھاگے تھے۔ یہ وہی ہیں جنھوں نے کراچی میں ایک دفعہ شیخ مجیب کی اچکن پیٹی تھی (?)۔

حُبّ وطن پر اجارہ داری ان کی بھی نہیں چلے گی جنھوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی۔ پاکستان کی جنگ لڑنے والوں کو (بشمول قائداعظم) کافر کہا اور اب تک جنھوں نے پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ وہ سارے نیشنلسٹ گل محمد جنھوں نے ہندو کانگریس کی گود میں بچپن اور جوانی گذار دی۔ بوڑھے ہوئے تو بڑھاپے کا بوجھ پاکستان پر لاد دیا۔ ان کی اجارہ داری بھی حب وطن پر نہیں چلے گی۔ عوام کے ٹھکرائے ہوئے یہ نام نہاد محبّ وطن سیاستداں جن کی عادت ہمیشہ پکا پکایا مال کھانے کی رہی ہے۔ کتنا ہی اپنے آپ کو تعاون کی تختی میں لگا کر پیش کرتے رہیں۔ کتنا ہی بڑھ بڑھ کر یہ یقین دلاتے رہیں کہ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے ان کا کوئی پینترا اب نہیں چلے گا۔ عوام خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سیاسی بازی گر کس پھیر میں ہیں۔

نظریہ اسلامی یا نظریہ پاکستان کا مخالف اور دشمن کون ہے۔ اس کا فیصلہ پچھلے سال ۷ دسمبر کو ہو گیا تھا۔ اب تم نے بحث چھیڑی ہے تو اپنے امیر کبیر کی لکھی ہوئی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش" حصہ سوم کا باب بعنوان "تحریک اسلامی کا تنزل" صفحہ ۱۳۱ پڑھ لو۔ تمہاری سہولت کے لئے اس عبارت کا عکس بھی یہاں پر پیش کیا جا رہا ہے۔ دیکھ لو۔ تمہارا امام پاکستان کو مسلمانوں کا چڑیا گھر بتاتا ہے۔ اسی چڑیا گھر میں آج تم بھی آباد ہو اور وہ بھی۔ تمہارا اور تم جیسوں کا قرطاسِ اسود شائع ہو چکا ہے۔ الفتح پابندی سے پڑھا کرو۔ مہاجرین کے ووٹوں سے اپنے صرف چار نمائندے اسمبلی میں پہنچانے والو۔ تم نے اپنی مہاجرین کو "بھگوڑے اور بزدل" بھی کہا تھا۔ اور "سیاسی کشمکش" حصہ سوم کے صفحہ ۹۳ پر مغربی نظریہ جمہوریت کے مطابق عوام کی حاکمیت رکھنے والے پاکستان کو "ناپاکستان" لکھا گیا ہے۔ اسی "ناپاکستان" میں تم نے بھی پناہ لے رکھی ہے اور مغربی طرز

یہ حضرت زمانۂ طالب علمی میں سوشلزم کا لٹریچر فروخت کرتے تھے

جمہوریت والا انتخاب تم نے بھی لڑا ہے۔ کیا نظریہ پاکستان کی حفاظت اسی طرح ہوتی ہے؟

اب ذرا لندن پلان سے لاتعلقی ظاہر کرنے والے کے درنوت ملاحظہ کر لیجئے۔ یہ وہ حضرت ہیں جو برطانیہ میں اپنی طالب علمی کے دور میں سوشلزم کا لٹریچر فروخت کرتے رہے ہیں۔ یہی صاحب بجٹ کے موقع پر سابق دستور ساز اسمبلیوں میں سوشلزم کی حمایت میں تقریریں بھی کر چکے ہیں۔ انہی صاحب نے الیکشن کے بعد مسٹر بھٹو صاحب کو اپنے تعاون کا پورا یقین دلایا تھا۔ لندن پلان کے ذریعہ ملک کو امریکہ کی نو آبادی بنانے کی سازش میں بھی شریک تھے۔ اب جو وہ اپنی بے گناہی کا ڈھنڈورا پیٹنے پر آئے تو یہ بھی بھول گئے کہ مسٹر بھٹو نے تو اعلان تاشقند پر دستخط بھی نہیں کئے۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ بھارتی بھونپو کو بھی مات کئے دے رہے ہو۔

ایک سیاسی ڈبہ پیر جو الیکشن میں پٹنے کے بعد مغرب میں چلا گیا تھا پھر موقع دیکھ کر مشرق کی طرف لوٹ آیا ہے۔ اس پیر نے اپنے ۱۷ اپریل کے مضمون میں یہ خوبصورت تجویزیں پیش کی ہیں۔

"اس ملک کی خیریت اس میں ہے کہ اسمبلیوں کو توڑنے کا اعلان کر دیا جائے۔ اور اس ہوس اقتدار کا خاتمہ کر دیا جائے جو باعث بنی ہے، ان جملہ مصیبتوں کی۔ نہ بیچ میں یہ استخوان اقتدار پڑا ہو گا نہ سگان سیاست اس پر آپس میں لڑ مریں گے۔ اگلے پانچ سال تک موجودہ طرز کی حکومت قائم رہے۔ اور جو شگاف ہمارے نظام زندگی اور نظم و نسق میں پڑ گئے ہیں ان کو رفع کرتی رہے۔"

یہ پیر جی بھی انہی سگانِ سیاست میں سے ہیں جو کسی نہ کسی طور پر اقتدار کو چمٹے رہنے کو باعث سمجھتے رہے ہیں۔ اور موقع محل کے لحاظ سے قلابازی کھانے میں جواب نہیں رکھتے۔ لیکن پیر جی تم نے اپنے ہم وطنوں کو اتنا بیوقوف کیوں سمجھتے ہو۔ کیا انہیں یاد نہیں ہو گا تم نے ۱۰ جنوری کو اپنے مضمون میں کیا لکھا تھا۔ تم نے مجیب اور چھ نکات کی حمایت کرتے ہوئے لکھا تھا:

"۶ پائنٹ کی بنا پر آئین بنا تو اس سے ان نئے حالات میں پاکستان ٹوٹے گا، بلکہ ٹوٹنے سے محفوظ رہ جائے گا۔ مجیب صاحب کی طرف سے ہرگز یہ کوشش نہیں ہو گی کہ مشرقی پاکستان باقی پاکستان سے الگ ہو جائے۔"

تم نے جس جگہ میں یہ مضمون لکھا تھا وہ پورا ہو نہیں سکا۔ کیونکہ ؎

آں قدح شکست و آں ساقی نماند

لیکن اس کا تمہیں ضرور اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مضمون لکھنے سے کھوئی ہوئی ناموری حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مشرق کو چھوڑ کر وہی مغرب مغرب کرتے رہو۔ "اللہ بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے!" تاریخ کا پہیہ الٹا گھمانے والوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ پاکستان اور نظریہ پاکستان کے محافظ یہاں کے عوام ہیں، تم نہیں ہو۔ اور یہ عوام تمہاری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ وقت آئے گا کہ تم ان کے غضب سے نہ بچ سکو گے۔

پہلے مٹھی گرم کرو، پھر کام بن سکتا ہے

ڈرامہ "ریت کی دیوار" نے فرسودہ روائتیں توڑ دیں

ناظر

ارا پیوبیل کو خدا کی بستی کے مصنف شوکت صدیقی کا لکھا ہوا ڈرامہ "ریت کی دیوار" ڈراموں کے نئے سلسلے "ارژنگ" میں کنور آفتاب نے پیش کیا۔ اس ڈرامہ کو اسکرپٹ، اداکاری اور ہدایت کاری کے لحاظ سے کراچی ٹی وی کے بہترین ڈراموں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ڈرامہ نگار عموماً اور ٹی وی کے حکام خصوصاً پاکستانی معاشرہ کے مسائل پیش کرنے سے کتراتے ہیں۔ اور بے باکانہ اظہار خیال کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتے۔ اسی لئے "ریت کی دیوار" کا ایک کردار یہ کہے "جس صاحب اختیار سے ملو منہ کھولے بیٹھا ہے۔ پہلے اس کی مٹھی گرم کرو پھر کام بن سکتا ہے، ورنہ نہیں۔" تو ایسا فقرہ سن کر تعجب ہوتا ہے کہ اس قدر رحق گوئی کی اجازت ٹی وی والوں کو کیسے مل گئی۔ شوکت صدیقی نے اس ڈرامہ میں مظلوم پاکستانیوں کے مسائل کی بات کی ہے۔ انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کی داستان بیان کی ہے۔ تعلیم پر سرمایہ داروں کی اجارہ داریوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کھوکھلی اور جھوٹی تہذیب کے تقاضوں، طمع چڑھی زندگی کی مجبوریوں اور سرمایہ دارانہ استحصال کی چکی میں پسنے والے بے بس انسانوں کی معصوم تمناؤں کا ذکر کیا ہے۔ نسیم اللہ سکول ماسٹر کے مرکزی کردار کے گرد کہانی کا تانا بانا بنا گیا ہے جو اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی خوشحال زندگی اور بہتر پرمسرت مستقبل کی صرف تمنا ہی کر تا رہ جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنے خوابوں کو پورا کرنے نکلتا ہے تو قدم قدم پر اسے استحصال زدہ معاشرہ کی مجبوریاں گھیر لیتی ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو انگریزی اسکول میں رشوت اور سفارش سے داخلہ دلوا کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کے بچے انجنیئر یا ڈاکٹر بن جائیں گے۔ خود نیو گلبرگ اسکول میں پڑھاتا ہے۔ یہ اسکول تجارتی ذہنیت رکھنے والے اور نت نئے حربوں سے دولت بٹورنے والے نثار اللہ پرنسپل کی ملکیت ہے۔ یہ اسکول گھر کا بھی کام دیتا ہے اور نثار اللہ آمدنی بڑھانے کے لئے اسی اسکول کی عمارت میں تنبولا بھی شروع کرنا چاہتا ہے۔ نسیم اللہ کو بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے اس اسکول کے علاوہ ایک اور اسکول میں بھی نوکری کرنی پڑتی ہے۔ کسی ایڈووکیٹ کے ساتھ مل کر پارٹ ٹائم کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی وہ اپنے بچوں کی فیسوں کتابوں، لباسوں اور مشغلوں کے اخراجات پورے نہیں کر پاتا۔ قرض لیتا ہے۔ اپنے اسکول کے بچوں کی فیسوں کی رقم اپنی ضرورتوں پر خرچ کر ڈالتا ہے۔ وقت پر رقم ادا نہیں کر پاتا تو اسکول کا مالک اس پر مقدمہ چلا کر جیل میں ڈلوا دیتا ہے۔ نسیم اللہ کی بیوی سلائی کر کے گذارہ کرتی ہے۔ بچے اسکول سے نکال دیئے جاتے ہیں۔ ماں باپ کی غفلت اور مہنگے اسکول کی غلط تربیت کے باعث بد اطوار بن جاتے ہیں۔ اور آخر نسیم اللہ جب جیل سے چھوٹ کر آتا ہے تو اپنے دونوں بچوں کو یتیم خانے میں داخل کرا دیتا ہے۔ ایک دفعہ ملباری ہوٹل میں چائے پی رہا ہوتا ہے تو اس کے دونوں بچے یتیم خانے کی تختیاں گلے میں لٹکائے اسی ہوٹل میں بھیک مانگنے آ جاتے ہیں اور جب دھتکارے جاتے ہیں تو نسیم اللہ کی پدرانہ غیرت جوش میں آ جاتی ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ اس کے چہرے کے تاثرات اور خاموشی کے ساتھ ہوٹل سے باہر آ جانے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو حالات کے بہاؤ پر ڈال دیا ہے۔ یہ ہمارے معاشرہ کی کہانی ہے۔ ڈرامہ کے کردار جیتے جاگتے اور محسوس کرنے والے کردار ہیں۔ نہ آفاقی اور بقراطی گفتگو کرتے ہیں اور نہ خلا میں رہتے ہیں۔ نسیم اللہ کے کردار میں محمد یوسف نے عمدہ اداکاری کی ہے۔ انھوں نے اپنے کردار سے پورا پورا انصاف کیا ہے۔ یوسف کے علاوہ ذہین طاہرہ ظہور احمد۔ بہروز سبزواری نے بھی اچھی پرفارمنس دی ہے۔ کنور آفتاب نے کرداروں کے لئے آرٹسٹوں کے انتخاب میں سوجھ بوجھ سے کام لیا ہے۔ کنور آفتاب کامیاب ڈرامہ پروڈیوسر مانے جاتے ہیں۔ ان کی مہارت اس ڈرامہ کی پیشکش میں جھلکتی تھی۔

غالباً آپ

کسوٹی کا دوسرے روپ "غالباً آپ" نے ناظرین کو مایوس کیا ہے۔ بیس پچیس منٹ کا یہ پروگرام کسوٹی کی طرح دلچسپ اور معلومات افزا ثابت نہیں ہوا۔ حالانکہ اس کے کرتا دھرتا کسوٹی کے بقراط ہی ہیں۔ قریش پور کمپیرنگ کرتے ہیں اور عبداللہ بیگ اور افتخار عارف مہمان شخصیتوں کی پہیلیاں بوجھتے ہیں۔ پچھلے پروگرام میں تو یہ ٹیم ناک آؤٹ ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ بھی پانچ مہمان شخصیتوں میں سے صرف دو کو ہی ٹی وی کے بقراط بوجھ سکے حالانکہ قریش پور نے اپنی حرکات و سکنات کے ذریعہ ان کو کافی امداد دی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بیگ اور قریش پور کے ذہنوں کو زنگ لگتا جا رہا ہے اسکے علاوہ "غالباً آپ" کا پیٹرن بھی بہت اکتا دینے والا ہے۔ کسوٹی میں تو سوال پوچھنے والے کی علمی معلومات کی قلعی بھی کھلتی تھی۔ اور عبداللہ بیگ اور افتخار عارف کے ذہن کی آزمائش بھی ہوتی تھی۔ "غالباً آپ" کو بھی ذہنی آزمائش کا پروگرام دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسے ناظرین کے ضبط و صبر کی آزمائش کہنا چاہیئے۔

"روز و شب" نامی پروگرام کے کمپیئر کو بدل دیا گیا ہے۔ اب قریش پور کی جگہ صدیقی ارشد منہ پھیلا پھیلا کر کراچی کے روز و شب دکھاتے ہیں قریش پور چونکہ "غالباً آپ" میں چلے گئے۔ اس لئے ان کا بار ہلکا کرنے کے لئے یہ خدمت ان سے وا[illegible]ی گئی اس ہفتہ کے "شب و روز" میں کوئی عوامی تقریب نہیں دکھائی گئی۔ صرف ایسی تصویریں تھیں جن سے امرا کے محدود طبقے ہی کو کوئی دل چسپی ہو سکتی تھی۔ ہر مرتبہ اس پروگرام میں تصویروں کی کوئی نہ کوئی نمائش ضرور دکھائی جاتی ہے۔ ایک آدھ کسی بند کمرے میں کسی بہت بڑے ہوٹل کے ہال میں منعقد ہونے والا کوئی مذاکرہ یا مباحثہ بھی ضرور شامل ہوتا ہے۔ کراچی کے شہریوں کی جو سرگرمیاں کھلے میدانوں، بازاروں، مارکیٹوں اور پارکوں میں دیکھنے میں آتی ہیں وہ سرے سے دکھائی ہی نہیں جاتیں۔

وطن کے گیت

ایسے وقت جبکہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں بھارت کی براہ راست مسلح مداخلت کے باعث پاکستان کی آزادی اور سالمیت کو خطرہ در پیش ہے اور بھارت نے پاکستان کے خلاف سرد اور نفسیاتی جنگ زور شور سے شروع کر رکھی ہے، توقع کی جا رہی تھی کہ ریڈیو پاکستان کی طرح ٹیلی ویژن سے بھی قوم کا مورال بڑھانے کے لئے خصوصی پروگرام پیش کئے جائیں گے مگر افسوس ہے کہ سوائے خبروں پر تبصرہ کے ایسا کوئی پروگرام اب تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ ۱۳ اپریل کو "وطن کے گیت" کے عنوان سے موسیقی کا جو پروگرام پیش کیا گیا اس کے متعلق گمان تھا کہ وہ ولولہ انگیز نغموں پر مشتمل ہوگا۔ مگر اس نے سخت مایوس کیا۔ یہ وطن کے گیت تھے کہ ان میں کوئی قومی امنگ تھی نہ موسیقی کا حسن۔ دھنیں یا تو مقبول لوک گیتوں پر مبنی تھیں یا سپاٹ اور بے روح۔ اسی لئے گانے والے بھی اپنے فن کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ نگہت اکبر جب اپنی "سزائے قید" بھگت کر جانے لگیں تو انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ کس طرف سے فیڈ آؤٹ ہونا ہے۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں پہلے ایک طرف مڑیں اور پھر کیمرے کے سامنے سے ہوتی ہوئی دوسری طرف چلی گئیں۔ یہ سارا گھپلا ٹیلی کاسٹ ہوتا رہا۔ اور نہ کیمرہ مین کو فیڈ آؤٹ کی سوجھی اور نہ پروڈیوسر کو خیال آیا۔ جو غالباً کینٹین میں بیٹھا چائے پی رہا ہوگا۔ اس پروگرام میں نگہت اکبر، نجف علی اور ریحانہ یاسمین

کے لگائے ہوئے گیتوں کے لئے یکساں پس منظر تیار کیا گیا تھا۔ پردہ پر یعنی آسمان پر بہت بڑی سیاہ رنگ کی تھالی اور ایک کھجور کا درخت نظر آرہا تھا۔ پتہ نہیں یہ سیاہ تھالی سورج کی تھی یا چاند کی۔ اور کھجور کے درخت سے کونسے وطن کا تصور پیش کیا گیا تھا۔ یہ تو پروڈیوسر ہی جانے۔ مجموعی طور پر یہ پروگرام سخت مایوس کن رہا۔

بقیہ : افسانہ

دُم ہلاتی رہی۔ جب وہ چھیچھڑے کھا چکی تو اس نے فیاض کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور مونچھوں پر زبان پھیرتی ہوئی ایک کونے میں جا کر لیٹ گئی۔

فیاض کا خیال تھا کہ تولہ بھر کچلا کھانے کے بعد بوڑھی رات کے کسی بھی وقفے میں مر جائے گی۔ لیکن بوڑھی بڑی سخت جان نکلی۔ وہ زندہ رہی، اس کے بھونکنے کی آواز تمام رات فیاض کو سنائی دیتی رہی۔

"ماں بادی" اُس کی آواز سن کر فیاض کروٹ بدلتا، اور اس کے منہ سے گالی نکلتی۔

رات گزر گئی اور فیاض صبح کی نماز پڑھنے کے لئے باہر نکلا تو بوڑھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر تیر کی طرح گھر کی طرف بھاگی۔ لیکن چوکھٹ تک پہنچتے پہنچتے اُس کا پیٹ زمین پر لگ گیا۔ اُسے خون سے بھرپور قے آئی اور وہ فیاض کی چوکھٹ پر ہم کر ساکت ہو گئی۔

"ماں بادی" فیاض نے اُسے گالی دی اور چارپائی کی پٹی کے ذریعے اُس کے مردہ جسم کو گھسیٹتا ہوا گھورے پر پھینک آیا

"فجا اسی طرح سے ایک دن اُسے چارپائی پر ڈالے گا اور قبرستان میں گاڑھ آئے گا۔" بتّو کے ذہن میں بجلی کوند گئی، اور اُس کی آنکھیں کانچ ہو گئیں۔

بقیہ : ایک خبر کی کہانی

لئے کام کر رہی ہے اور اس نے کسانوں کو متحرک کر کے دیہاتوں میں فوجی اڈے تعمیر کر لئے ہیں۔

لاؤس کے انقلاب نے ایک سبق یہ بھی دیا ہے کہ انقلاب صرف اور صرف عوام لا سکتے ہیں۔ اس میں مظلوم طبقے حکمرانوں اور استحصالی طبقوں پر انقلابی تشدد کرتے ہیں۔ پُرامن مظاہروں سے، ہڑتالیں کر دینے سے، یا پتھراؤ کرنے سے سامراج اور اس کے ایجنٹوں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ صرف ہتھیاروں کے ذریعے ہی سامراج اور اس کے حواریوں سے حکومت چھینی جا سکتی ہے ہتھیار اُٹھائے بغیر عوام کبھی حکومت حاصل نہیں کر سکتے۔ حکومت حاصل کرنے کے لئے ایک مسلح جدوجہد کرنی چاہیئے۔ الیکشن کے سوانگ میں کوئی انقلابی جماعت حصہ نہیں لیتی، مسلح جدوجہد کے ساتھ ساتھ انقلابی اور ترقی پسند طاقتوں کا متحدہ محاذ لازمی شے ہے۔ لیکن اس متحدہ محاذ کی قیادت پرولتاری جماعت کے پاس ہونی چاہیئے۔ اور وہ پہل کرنے کی پوزیشن میں ہو۔

لاؤس کا انقلاب یہ بھی بتاتا ہے کہ خود انحصاری اور خود اعتمادی انقلاب کے لئے بہت ضروری ہے۔

لاؤس کے عوام کی جنگ آزادی کا میابی سے ہمکنار ہونے والی ہے۔ کیونکہ دنیا ترقی کر رہی ہے اور اس کا مستقبل درخشاں ہے۔ اور کوئی طاقت تاریخ کے اس عمل کو نہیں روک سکتی۔ یہ دور سوشلزم کا ہے۔ اور سامراجی نظام کی اس دنیا میں اب کوئی گنجائش نہیں۔ چیئرمین ماؤزے تنگ نے کہا ہے؛ "سامراج کے دن گنے جا چکے ہیں۔ سامراجیوں نے ظلم و استبداد کے تمام حربے استعمال کئے ہیں۔ دنیا کے مظلوم عوام اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔"

گودھرا کیمپ کے مظلوموں کی حمایت کے جرم میں معراج محمد خاں جیل بھیج دیئے گئے

صفحہ ۱۸ سے آگے

باندھنے کے نام پر الاٹ کی ہوئی ہے۔ اس میں صرف بے سینگ کا معصوم جانور آوازیں نکال کر ان نام نہاد نمائندوں کی بدعنوانیوں کا پردہ چاک کرتا رہتا ہے۔ یہ تمام صورت حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان تمام امور کی گہری جانچ پڑتال کی جائے اور نہ صرف ان نام نہاد نمائندوں بلکہ کے ڈی اے کے ان افسروں کو بھی کڑی سزا دی جائے جو ان تمام بدعنوانیوں میں ملوث ہیں۔

بجلی پانی صحت اور تعلیم کے مسائل

اس بستی کے دوسرے تمام مسائل وہی ہیں جن کا نئی کراچی میں بسنے والے شکار ہیں بلکہ بعض مسائل تو نئی کراچی سے بھی زیادہ شدید ہیں نئی کراچی میں سرکاری اسکول نہیں ہیں لیکن نجی اسکول ضرور ہیں۔ اس بستی میں سرکاری اسکول تو کجا کوئی نجی اسکول تک نہیں ہے۔ علم کا حصول یہاں کے باسیوں کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ تعلیم کو جنس بنا کر تجارت کرنے والے یہاں اسکول کھولنے کو کھوٹا دھندا سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ خستہ حال جھگیوں کے مکینوں کی کھال اتنی کھردری ہے کہ اسے کھینچ کر وہ اپنے محل نہیں بنا سکتے۔

بجلی بالکل نہیں ہے اس کا رونا ہم پہلے ہی رو چکے ہیں کہ عوامی فلاح کا ادارہ کے ای ایس سی بھی تجارتی طور پر نقصان رساں کام نہیں کرتا۔ پانی کا تعلق کے ڈی اے سے ہے اس لئے وہ بھی دستیاب نہیں ہے آتا ہے لیکن روٹھے ہوئے دوست کی طرح بڑے ٹھسے کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر زیادہ تر راتوں کو اس کی آمد کا شور ہوتا ہے۔ اور اس وقت دن بھر کے تھکے ہارے محنت کش جو اگلے روز اپنے محنت کے چراغ جلانے کے لئے اپنے جسم کو آرام دینے کی فکر میں ہوتے ہیں اس عشوہ طراز محبوبہ کے فراق میں رات بھر جاگتے ہیں۔

ہسپتال اور دواخانوں کا کوئی سوال نہیں ہے۔ صفائی کا جو انتظام ہے اس کے بارے میں بھی کچھ کہنا بے سود ہے آج کل چیچک کی وبا پوری بستی میں پھیلی ہوئی ہے لیکن اس کے تدارک کے لئے کوئی انتظامات نہیں ہیں عطائی ڈاکٹروں نے جن کے پاس ڈگری ہے نہ تجربہ رنگین شیشیاں اور ایک اسٹیتھسکوپ سجا کر اپنے کاروبار چمکا رکھے ہیں۔ ان سے پوچھ گچھ کرنے والا اور ان کی ڈگریوں کا راز جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے یہاں کے سادہ لوح عوام کو لوٹنے میں مصروف ہیں۔

یہاں کے باشندوں کے بیان کے مطابق جب انہیں یہاں لا کر بسایا گیا تھا تو یہ وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ ایک سال کے اندر اندر بجلی پانی اور دوسری تمام سہولتیں مہیا کر دی جائیں گی۔ طفل تسلی کے طور پر بجلی کے کھمبے بھی نصب کرنے کے لئے رکھ دیئے گئے تھے لیکن جب بستی بس گئی تو یہ کھمبے اٹھا لئے گئے۔ اس کے بعد سے نہ کھمبوں کا پتہ ہے نہ بجلی کا ــ پانی۔ ہسپتال اسکول وغیرہ بھی دو سال کی مدت گزر جانے کے باوجود نہیں کھل سکے۔ بسوں کا یہ عالم ہے کہ اس علاقے کے لئے خاص طور پر کوئی بس نہیں چلائی گئی۔ نئی کراچی والی بسوں پر یہاں کے باشندوں کا بھی گزارہ ہے۔ لیکن یہ بسیں پہلے ہی اتنی بھری ہوتی آتی ہیں کہ یہاں والوں کو اس میں پاؤں کا پنجہ رکھنے کی جگہ بھی نہیں ملتی ایک بس روٹ نمبر ۸ ۔ ایل اس علاقے کے لئے چلائی گئی تھی لیکن وہ بہت تھوڑے عرصے چلنے کے بعد بند ہو گئی۔

قدیم سندھیوں کے گوٹھ

نئی کراچی سے متصل سندھیوں کے کئی قدیمی گوٹھ ہیں۔ ان میں سہراب گوٹھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ گوٹھ نئی کراچی بسنے سے پہلے کے آباد ہیں۔ لق و دق ویران میدانوں میں یہ چھوٹی چھوٹی بستیاں جو چند سو جھگیوں پر مشتمل ہیں۔ سندھیوں کے قدیم رہن سہن کی آئینہ دار ہیں۔ لیکن ان بستیوں کے مسائل کی طرف کسی نے آج تک توجہ نہیں دی۔ یہاں کے لوگ محنت کش ہیں جو محنت بیچ کر اپنی روزی کماتے ہیں۔ اپنے بچوں کو پڑھانا انہوں نے سیکھا ہی نہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم ان کا مسئلہ نہیں ہے (خالص جاگیردارانہ نقطۂ نظر سے) بیمار پڑتے ہیں تو جڑی بوٹیوں کا علاج کرتے ہیں لہٰذا مان لیجئے کہ انہیں ہسپتالوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن پانی ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر زندہ رہنا انہوں نے بھی نہیں سیکھا ہے اور یہ پانی ان کے لئے ایک ایسی نایاب چیز ہے جس کے لئے وہ پہروں سفر کرتے ہیں۔ ان کے گھر کی عورتیں قدیم سندھی لباس پہنے اور سروں پر مٹی کے گھڑے اٹھائے ہوئی چلچلاتی دھوپ میں کولتار کی تپتی ہوئی سڑکیں اور گرم ریتیلے میدان عبور کرتی ہیں۔ میلوں چلتی ہیں تو ایک گھڑا ان کا مقدر بنتا ہے۔ یہ باشندے ابھی تک بے زبان ہیں اور انہوں نے اپنے مسائل کے لئے بات کرنا ابھی نہیں سیکھا ہے۔

لیکن کب تک ــ !!

'خدا کی بستی' کے بعد الفتح مطبوعات کی دوسری پیش کش

'شنگھائی کی عورتیں'

چین کے جاگیردارانہ عہد کی مظلومیت اور بہیمیت کی تصویر

ڈرامہ کے روپ میں

عظیم مصنف اور ڈرامہ نویس زیتر ے ہوم کے قلم سے۔

جس کو

جمیل الدین عالی اور افضل صدیقی نے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے

اسٹیج ڈرامہ کی انوکھی تکنیک

لائبریری سائز —— چرمی جلد —— عمدہ کاغذ —— آفسٹ طباعت —— قیمت تین روپے

—— پتہ یہ ہے ——

الفتح مطبوعات، ۸۷ ڈی، نرسری کمرشل ایریا (پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس) کراچی ۲۹

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
22 - 29 APRIL, 1971

مئی ۱۹۷۰ء سے مئی ۱۹۷۱ء

ہفت روزہ **الفتح** کا پہلا سال بھی ہے اور پاکستان کی تاریخ کا اہم سال بھی ہے

- انتخابی ہنگامے • عوامی جدوجہد • انتخابات میں اسلام پسندوں کی شکست • مجیب، بھٹو، یحییٰ مذاکرات
- بھارتی امریکی اور روسی سازش کی ناکامی — ان واقعات کے ہر پہلو پر

ہفت روزہ الفتح کراچی

ایک شاندار

سالنامہ

پیش کر رہا ہے



بھارت کے خفیہ عزائم کے بارے میں ذوالفقار علی بھٹو
چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی کا اہم خصوصی اور مفصل مضمون

لکھنے والے

احمد ندیم قاسمی صفدر میر ابراہیم جلیس شوکت صدیقی ابن انشا جمیل الدین عالی عبدالحمید عدم قتیل شفائی
مولانا کوثر نیازی خارغ بخاری ہاجرہ مسرور ظفر اللہ پوشنی ایم کے جنجوعہ اقبال میر خدیجہ مستور
حسن عابدی ایم جے زاہدی منہاج برنا زین الدین خاں لودھی معراج محمد خاں طارق عزیز احمد علی
انور سجاد اور بہت سے دوسرے حضرات

ضخامت: معمول سے زیادہ قیمت:- ایک روپیہ سرورق: سات رنگوں میں

ایجنٹ حضرات مطلوبہ تعداد سے مئی کے آخر تک مطلع کر دیں

مشتہر حضرات مئی کے آخر تک جگہ محفوظ کروالیں

جنرل مینجر ہفت روزہ الفتح - ۸۰ - ڈی - کمرشل ایریا - پی - ای - سی - ایچ - ایس - نرسری - کراچی